جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

اسم الكتاب : نبی کی جامع سیرت اور اخلاق نبوی

تأليف : .... فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع ....الاول سنه 1447ھ بمطابق 2025

تنضید: ابو منقادرضاءالله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله عنه

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شريف آباد باجوڑ پاکستان

پیش لفظ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ۔ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ۔ وَأَشْھَدُ أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اس کائنات میں رب ذوالجلال کے بندۂ مومن پر عظیم ترین احسانات میں سے ایک یہ ہے، کہ اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت ہو۔ اہل ایمان ایسے اسباب ووسائل کو جاننے اور سمجھنے کی بہت تڑپ اور شدید آرزو رکھتے ہیں، کہ جن کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو جائے اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ توفیقِ الٰہی سے ایسے ہی اسباب ووسائل کو جاننے، دوسرے لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے اور ان سے فیض یاب ہونے کی خاطر درج ذیل سات اسباب کے متعلق گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فرضیّت نہ بھولنا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ثمرات ہمیشہ یاد رکھنا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات فراموش نہ کرنا۔

☆ شانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کو جاننا اور یاد رکھنا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکرِ خیر کرنا اور درود شریف پڑھنا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے احوال پیشِ نظر رکھنا۔

مقدمہ

اسلام کا حسن ہے کہ اس نے جزئیات میں بھی انسانیت کی راہنمائی فرمائی ہے۔ لوگوں کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا۔ انہیں امن و سکون اور ترتیب و تنظیم سے زندگی گزارنے کے لیے بعض قواعد وضوابط کا پابند ٹھہرایا۔ اس کتاب میں ان ہی قواعد وضوابط کا بیان ہے۔ سونے جاگنے اور نیند سے متعلقہ احکام و مسائل کا احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے۔ سونے کے آداب، سوتے وقت کے اذکار، رات کو بیداری، نمازِ تہجد وغیرہ عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے'' لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سولی تو در کنار، آرام دہ مخملیں بستروں اور آراستہ و پیراستہ خواب گاہوں میں بھی نیند سے محروم رہتے ہیں۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کی بزرگ ترین ہستی کہ جن ایسا کوئی آیا نہ آئے گا، وہ ننگے فرش پر کھجوروں کی ایک چٹائی پر اطمینان سے سو رہے ہوتے ہیں۔ سرخ و سفید جسم اطہر پر بستر کے نشانات نمایاں ہوتے ہیں۔ جاں نثارِ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بے قرار ہو کر عرض کرتے ہیں: آقا! آپ اس بستر پر سو رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرا اس دنیا سے کیا لینا دینا؟ میں تو یوں سمجھو رہ گزر مسافر ہوں۔ حدیث مبارکہ میں کتنے ہی واقعات ہیں کہ جناب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے استراحت فرمانے کا ذکر ہوا ہے۔ کبھی آپ میدان بدر میں ساری رات مناجات اور فریاد میں گزار دیتے ہیں اور کبھی آپ کی رات سواری کی پشت پر سفر کرتے گزری ہے۔ کبھی آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بقیع الغرقد کے مکینوں کے لیے دعائے مغفرت کے لیے جاتے ہیں اور کبھی آپ حجرۂ عائشہ میں سجدے میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ کبھی رات کا وقت آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے نواسوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے پاس گزارتے ہیں اور کبھی اپنے جاں نثاروں کے جھرمٹ میں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ رات کو خواب دیکھتے اور صبح اسے بیان فرماتے اور کبھی آپ جنات سے ملاقات فرماتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ روح القدس کی معیت میں اسراء و معراج کا سفر کرتے کہ انبیاء کرام کی امامت کراتے اور پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کرتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ انبیاء کرام کے بعد افضل ترین شخصیت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت فرماتے، راستے میں اندھیری غار میں تین راتیں گزارتے۔ مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی راتوں کا بیان اس کتاب کا خاص موضوع ہے۔ اس مناسبت سے حضرت آقا علیہ السلام کے خوابوں کا تذکرہ ہے، آپ کے جہادی اسفار کا بیان ہے، زندگی میں بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کی بعض نورانی راتوں کا بھی بیان ہے۔ بعض واقعات کے ضمن میں ان سے حاصل ہونے والے دروس بھی بیان کیے گئے ہیں۔ خصوصاً ایسے واقعات جن سے فکر و عقیدہ کی اصلاح ہوتی ہو۔ کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحیحہ کا التزام ہو۔ پھر بھی یہ ایک ناتواں اور ادھوری سی کوشش ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی پہلو پر لکھنا ایک عظیم سعادت ہے اور رضائے رب العالمین کے حصول کا ذریعہ بھی۔ ان شاء اللہ۔ مصروفیت کے اس دور میں وہ لمحات بے حد غنیمت ہیں جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے میں بسر ہو جائیں۔ حرفِ آخر یہ کہ سیرت صرف مطالعے کا مضمون نہیں بلکہ انسانی شخصیت و کردار اور عقائد و اعمال میں اس کا پرتو نظر آنا چاہیے۔ فلاح و کامیابی کی راہوں پر قدم رکھ دیا۔ ورنہ تو کتنے ہی اہل علم و ہنر بھی گزرے ہیں جو ایمان کی حلاوت اور سعادت سے محروم تھے مگر اپنے علم اور قلم سے انہوں نے بارگاہ نبوت میں خراج تحسین پیش کیا۔

ابو منقاد اللہ بن الحاج جلبن بادشاہ حفظہ اللہ ورعاہ و جعل الجنۃ مثواہ ۔۔ 12 صفر ۔۔ 1447ھ 6 اگست ۔۔ 2025 یوم الاربعاء

خاندانِ نبوت

نسب:

نسب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب تین حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ جسکی صحت پر اہل سیر اور ماہرین انساب کا اتفاق ہے۔ یہ عدنان تک منتہی کہلاتا ہے اور دوسرا حصہ جسمیں اہل سیر کا اختلاف ہے اور کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی قائل ہے۔ یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ جسمیں یقیناً کچھ غلطیاں ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جاتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ گزر چکا ہے۔ ذیل میں تینوں حصوں کی قدرے تفصیل دی جا رہی ہے۔

پہلا حصہ

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد المناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن نظر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن معد بن عدنان۔[1]

دوسرا حصہ

عدنان سے اوپر یعنی عدنان بن اُد بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلد بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوی بن عیض بن دیشان بن عیصر بن افناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن سمی بن مزی بن عوضہ بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم۔[2]

تیسرا حصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر۔ ابراہیم بن تارح (آذر) بن ناحور بن ساروع (یاساروغ) بن راعو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بن متوشلخ بن اخنوخ (کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے) بن ہرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیث بن آدم علیہ السلام۔[3]

خانوادہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خانوادہ جد اعلی ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادہ ہاشمی کے نام سے معروف ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم اور ان کے بعد کے بعض افراد کے مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں۔

ھاشم: جب بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم پر مصالحت ہو گئی تو عبد المناف کی اولاد میں ہاشم ہی کو سقایہ اور رفادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل ہوا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکے میں حاجیوں کو شوربہ روٹی سان کر کھلانے کا اہتمام کیا۔ انکا اصل نام عمرو تھا لیکن روٹی توڑ کر شوربے میں ساننے کی وجہ سے انکو ہاشم کہا جانے لگا کیونکہ ہاشم کے معنی ہیں توڑنے والا۔ پھر یہی وہ ہاشم ہیں جنہوں نے قریش کے لئے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی انکے بارے میں شاعر کہتا ہے:

عمر والذی ھشم الثرید لقومه قوم بمکة مسنتین عجاف

سنت الیه الرحتان کلاهما سفر الشتأ ورحلة الصیاف

؛؛یہ عمرو ہی ہیں جنہوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائیں اور جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی بنیاد رکھی۔"

ان کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ تجارت کیلئے ملک شام تشریف لے گئے۔ راستے میں مدینہ پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی نجار کی ایک خاتون سلمی بنت عمرو سے شادی کرلی اور کچھ دن وہیں ٹھہرے رہے پھر بیوی کو حالت حمل میں ہی چھوڑ کر ملک شام روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ادھر سلمی کے بطن سے بچہ ہوا یہ سن 497ء کی بات ہے چونکہ بچے کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لئے سلمی نے اسکا نام شیبہ رکھا[1] اور یثرب میں میں اپنے میکے ہی کے اندر اس کی پرورش کی۔ آگے چل کر یہی بچہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عرصے تک خاندان ہاشم کو اس کے وجود کا علم نہ ہو سکا۔ ہاشم کے کل چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں جنکے نام یہ ہیں۔ اسد، ابو صیفی، نضلہ، عبد المطلب، شفأ، خالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور جنتہ۔[2]

2۔ عبد المطلب ______ پچھلے صفحات سے معلوم ہو چکا ہے۔ سقایہ اور رفادہ کا منصب ہاشم کے بعد انکے بھائی مطلب کو ملا۔ یہ بھی اپنی قوم میں خوبی اور اعزاز کے مالک تھے۔ ان کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ ان کی سخاوت کے سبب قریش نے انکا لقب فیاض رکھ دیا تھا۔ جب شیبہ یعنی عبد المطب دس بارہ برس کے ہو گئے تو مطلب کو انکا علم ہوا اور وہ انہیں لینے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب یثرب کے قریب پہنچے اور شیبہ پر نظر پڑی تو اشکبار ہو گئے، انہیں سینے سے لگالیا اور اپنی سواری پر پیچھے بٹھا کر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مگر شیبہ نے ماں کی اجازت کے بغیر جانے سے انکار کر دیا۔ اس لئے مطلب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوئے مگر ماں نے اجازت نہ دی۔ آخر مطلب نے کہا یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جا رہے ہیں اس پر ماں نے اجازت دے دی اور مطلب انہیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر مکہ لے آئے۔ مکے والوں نے دیکھا تو کہا یہ عبد المطلب ہے یعنی مطلب کا غلام ہے، مطلب نے کہا نہیں نہیں! یہ میرا بھتیجا ہے یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔ پھر شیبہ نے مطلب کے پاس پرورش پائی اور جوان ہوئے۔ اس کے بعد مقام رومان (یمن) میں مطلب کی وفات ہو گئی اور انکے چھوڑے ہوئے مناصب عبد المطلب کو حاصل ہوئے۔ عبد المطلب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف و اعزاز حاصل کیا کے انکے آبأو اجداد میں بھی کوئی اس مقام کو نہ پہنچ سکا تھا۔ قوم نے انہیں دل سے چاہا اور ان کی بڑی عزت و قدر کی۔[1]

جب مطلب کی وفات ہو گئی تو نوفل نے عبد المطلب کے صحن پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ عبد المطلب نے قریشے کچھ لوگوں سے اپنے چچا کے خلاف مدد چاہی لیکن انہون نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے درمیان دخیل نہیں ہو سکتے۔ آخر عبد المطلب نے بنی نجار میں اپنے ماموں کو کچھ اشعار لکھ بھیجے، جسمیں ان سے مدد کی درخواست کی تھی، جواب میں انکا ماموں ابو سعد بن عدی اسی 80 سوار لیکر روانہ ہوا اور مکے کے قریب البطح میں اترا۔ عبد المطلب نے وہیں ملاقات کی، اور کہا ماموں جان! گھر تشریف لے چلیں۔ ابو سعد نے کہا: نہیں خدا کی قسم! یہاں تک کے نوفل سے مل لوں۔ اس کے بعد ابو سعد آگے بڑھا اور نوفل کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ نوفل حطیم میں مشائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ابو سعد نے تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا: اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تمہارے اندر پیوست کر دونگا۔ نوفل نے کہا اچھا! ابو میں نے واپس کر دی۔ اس پر ابو سعد نے مشائخ قریش کو گواہ بنایا۔ پھر عبد المطلب کے گھر گیا اور تین روز مقیم رہ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ واپس چلا گیا۔ اس واقعے کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے باہمی تعاون کا عہد و پیماں کیا۔ ادھر بنو خزاعہ نے دیکھا کے بنو نجار نے عبد المطلب کی اس طرح مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ عبد المطلب جس طرح تمہاری اولاد ہے ہماری بھی اولاد ہے لہذا ہم پر اس کی مدد کا حق زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد مناف کی والدہ قبیلہ خزاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے دارالندوہ میں جا کر بنو شمس اور بنو نوفل کے خلاف بنو ہاشم سے تعاون کا عہد و پیماں کیا۔ یہی پیمان تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا سبب بنا۔ تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔[1]

بیت اللہ کے تعلق سے عبد المطلب کے ساتھ دو اہم واقعات پیش آئے، ایک چاہ زمزم کی کھدائی کا واقعہ اور دوسرا فیل کا واقعہ۔

چاہ زمزم کی کھدائی۔

پہلے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد المطلب نے خواب میں دیکھا کہ انہیں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور خواب ہی میں انہیں اس کی جگہ بھی بتائی گئی۔ انہوں نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کی اور رفتہ رفتہ وہ چیزیں بر آمد ہوئیں جو بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت چاہ زمزم میں دفن کی تھیں۔ یعنی تلواریں، زرہیں اور سونے کے دو ہرن۔ عبد المطلب نے تلواروں سے کعبہ کا دروازہ ڈھالا۔ سونے کے دو ہرن بھی دروازے ہی میں فٹ کئے اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا بندوبست کیا۔

کھدائی کے درمیان یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا تو قریش نے عبد المطلب سے جھگڑا شروع کیا اور مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی کھدائی میں شریک کر لو۔ عبد المطلب نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا میں اس کام کے لئے مخصوص کیا گیا ہوں، لیکن قریش کے لوگ باز نہ آئے۔

یہاں تک کہ فیصلے کے لئے بنو سعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا اور لوگ مکہ سے روانہ بھی ہو گئے لیکن راستے میں اللہ تعالی نے انہیں ایسی علامات دکھائیں کہ وہ سمجھ گئے کہ زمزم کا کام قدرت کی طرف سے عبد المطلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے راستے ہی سے پلٹ آئے۔ یہی موقع تھا جب عبد المطلب نے نذر مانی کے اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ انکا بچاؤ کر سکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کرینگے۔[2]

واقعہ فیل:

دوسرے واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ صباح حبشی نے (جو نجاشی بادشاہ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر جنرل تھا) جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک بڑا کلیسا تعمیر کیا، اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پائخانہ پوت دیا۔ ابرہہ کو پتہ چلا تو سخت برہم ہوا اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر کعبے کو کو ڈھانے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لئے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا، لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مغمس پہنچا اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکے میں داخلے کے لئے چل پڑا، جب مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محسر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لئے کسی طرح نہ اٹھا۔ اس کا رخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھا۔ اسی دوران اللہ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گرائے اور اللہ نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ یہ چڑیاں ابابیل یا قمری جیسی تھیں، ہر چڑیا کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں، کنکریاں چنے جتنی تھیں مگر جس کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضا کٹنا شروع ہو جاتے تھے اور وہ مر جاتا تھا۔ یہ کنکریاں ہر آدمی کو نہیں لگی تھیں، لیکن لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ ہر شخص دوسرے کو روندتا، کچلتا گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا۔ پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے اور ہر چشمے پر مر رہے تھے۔ ادھر ابرہہ پر اللہ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔ پھر اسکا سینہ پھٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا۔ ابرہہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر گئے تھے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپے تھے۔ جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔[1]

یہ واقعہ بیشتر اہل سیر کے بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچپن دن پہلے محرم کے مہینے میں پیش آیا تھا لہذا یہ 571ء کی فروری کے اواخر یا مارچ کے اوائل کا واقعہ ہے۔ یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لئے ظاہر فرمائی تھی کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھئے کہ اپنے دور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا اور وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا جیسا کے بخت نصر کے حملہ (578ق م) اور اہل روما کے قبضے (سن 70) سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کعبہ پر عسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔ پھر یہ واقعہ ایسے حالات میں پیش آیا کہ اس کی خبر اس وقت کی متمدن دنیا کے بیشتر علاقوں یعنی روم وفارس میں آناً" فاناً" پہنچ گئی۔ کیونکہ حبشہ کا رومیوں سے بڑا گہرا تعلق تھا اور دوسری طرف فارسیوں کی نظر رومیوں پر برابر رہتی تھی اور وہ رومیوں اور انکے حلیفوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا برابر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کے بعد اہل فارس نے نہایت تیزی سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اب چونکہ یہ دو حکومتیں اس وقت متمدن دنیا کے اہم حصے کی نمائندہ تھیں اس لئے اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں بیت اللہ کے شرف وعظمت کا ایک کھلا ہوا خدائی نشان دکھلائی پڑ گیا۔ اور یہ بات دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لئے منتخب کیا ہے لہذا یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہو گا۔ اور اس خدائی حکمت کی تفسیر ہو گا جو عالم اسباب سے بالاتر طریقے پر اہل ایمان کے خلاف مشرکین کی مدد میں پوشیدہ تھی۔

عبد المطلب کے دس بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں: حارث، زبیر، ابو طالب، عبد اللہ، حمزہ، ابو لہب، غیداق، مقوم، صفا اور عباس۔ بعض نے کہا ہے گیارہ تھے ایک کا نام قثم تھا اور بعض اور لوگوں نے کہا ہے کہ تیرہ تھے ایک کا نام عبد الکعبہ اور ایک کا نام حجل تھا۔ لیکن دس کے قائلین کہتے ہیں کہ مقوم ہی کا دوسرا نام عبد الکعبہ اور غیداق کا دوسرا نام حجل تھا اور قثم نام کا کوئی شخص عبد المطلب کی اولاد میں نہ تھا۔ عبد المطلب کی بیٹیاں چھ تھیں انکے نام یہ ہیں: ام الحکیم انکا نام بیضأ ہے۔ برہ، عاتکہ، صفیہ، اروٰی اور امیمہ۔[1]

3۔ عبد اللہ ____________ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم ________

ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن تقیظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں۔ عبد المطلب کی اولاد میں عبد اللہ سب سے زیادہ خوبصورت، پاک دامن اور چہیتے تھے اور ذبیح کہلاتے تھے اور ذبیح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ جب عبد المطلب کے لڑکوں کی تعداد پوری دس ہوگئی اور وہ بچاؤ کرنے کے قابل ہو گئے، تو عبد المطلب نے انہیں اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے بات مان لی۔ اس کے بعد عبد المطلب نے قسمت کے تیروں پر ان سب کے نام لکھے۔ اور ہُبَل کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبد اللہ کا نام نکلا۔ عبد المطلب نے عبد اللہ کا ہاتھ پکڑا چھری لی اور ذبح کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے، لیکن قریش اور خصوصاً عبد اللہ کے ننھیال والے یعنی بنو مخزوم اور عبد اللہ کے بھائی ابو طالب آڑے آئے۔ عبد المطلب نے کہا تب مین اپنی نذر کا کیا کروں؟ انہوں نے مشورہ دیا کے وہ کسی خاتون عرّافہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ عبد المطلب ایک عرّافہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں اگر عبد اللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں، یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ پھر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو انہیں ذبح کر دیں۔ عبد المطلب نے واپس آکر عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبد اللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔ جب سو اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اب عبد المطلب نے انہیں عبد اللہ کے بدلے ذبح کیا اور وہیں چھوڑ دیا۔ کسی انسان یا درندے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس واقعے سے پہلے قریش اور عرب میں خون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی مگر اس واقعے کے بعد 100 سو اونٹ کر دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد مروی ہے کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ۔[1]

عبد المطلب نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کی شادی کے لئے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں اور نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ انکے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنو زہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبد اللہ کے پاس آئیں مگر تھوڑے عرصے بعد عبد اللہ کو عبد المطلب نے کھجور لانے کے لیے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔

بعض اہل سیرۃ کہتے ہیں کہ وہ تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے تھے۔ قریش کے ایک قافلے کے ہمراہ واپس آتے ہوئے بیمار ہو کر مدینہ اترے اور وہیں انتقال کر گئے۔ تدفین نابغہ جعدی کے مکان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر 25 برس تھی۔ اکثر مؤرخین کے بقول ابھی رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم پیدا نہیں ہوئے تھے۔ البتہ بعض اہل سیر ۃ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ان کی وفات سے دوماہ قبل ہو چکی تھی۔[1] جب ان کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو حضرت آمنہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ کہا جو درج ذیل ہے۔

عفا جانب البطحأ من ابن هاشم وجاور بحدا خارجا في الغماغم

دعته المنايا دعوة فاجابها وما تركت في الناس مثل ابن هاشم

عشيه راحوا يحملون سريره تعاوره اصحابه في التزاحم

فان تک غالته المنایاوریبها فقد کان معطأ کثیر التراحم [2]

بطحا کی آغوش ہاشم کے صاحبزادے سے خالی ہو گئی، وہ بانگ و خروش کے درمیان ایک لحد میں آسودہ خاک ہو گیا۔ اسے موت نے ایک پکار لگائی اور اسنے لبیک کہہ دیا۔ اب موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی انسان نہیں چھوڑا۔ (کتنی حسرت ناک تھی) وہ شام جب لوگ انہیں تخت پر اٹھائے لے جارہے تھے۔ اگر موت اور موت کے حوادث نے انکاوجود ختم کر دیا ہے (تو انکے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جاسکتے)۔ وہ بڑے دانا اور رحم دل تھے۔ عبد اللہ کا کل ترکہ یہ تھا: پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک حبشی لونڈی جنکا نام برکت تھا اور کنیت ام یمن، یہی یم یمن ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھلایا تھا۔[3]

☆☆☆

ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال ولادت باسعادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعبِ بنی ہاشم کے اندر ۹/ ربیع الاوّل اعام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ اس وقت نوشیرواں کی تخت نشینی کا چالیسواں سال تھا اور ۲۰/ یا ۲۲ / اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے۔ [1]

ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے فرمایا: جب آپ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہو گئے۔ امام احمد اور دارمی وغیرہ نے بھی تقریباً اسی مضمون کی روایت نقل فرمائی ہے۔ [2]

بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ظہور پذیر ہوئے، یعنی ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگورے گر گئے، مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا، بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اور اس کے گرجے منہدم ہو گئے۔ یہ طبری اور بیہقی وغیرہ کی روایت ہے۔[3]

مگر اس کی سند پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے اور ان قوموں کی تاریخ سے بھی اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی، حالانکہ ان واقعات کو قلمبند کیے جانے کا قوی داعیہ موجود تھا۔ ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبد المطلب کے پاس پوتے کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں و فرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جاکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا۔[4] اور آپ کا نام محمد تجویز کیا۔ یہ نام عرب میں معروف نہ تھا، پھر عرب دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا۔[5]

آپ کو آپ کی والدہ کے ایک ہفتہ بعد سب سے پہلے ابو لہب کی لونڈی ثُویبہ نے دودھ پلایا۔ اس وقت اس کی گود میں جو بچہ تھا اس کا نام مسروح تھا۔ ثُویبہ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو اور آپ کے ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔[1]

بنی سعد میں:

عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوِی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں اور اپنے گہوارہ ہی سے خالص اور ٹھوس عربی زبان سیکھ لیں۔ اسی دستور کے مطابق عبد المطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ بنت ابی ذُوَیب کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبد العزیٰ اور کنیت ابو کبشہ تھی اور وہ بھی قبیلہ بنی سعد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حارث کی اوّلاد کے نام یہ ہیں جو رضاعت کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بہن تھے: عبد اللہ، انیسہ، حذافہ یا جذامہ، انہیں کا لقب شَیماء تھا اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھلایا کرتی تھیں، ان کے علاوہ ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے وہ بھی حضرت حلیمہ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب بھی دودھ پلانے کے لیے بنو سعد کی ایک عورت کے حوالے کیے گئے تھے۔ اس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے پاس تھے آپ کو دودھ پلا دیا۔ اس طرح آپ اور حضرت حمزہ دوہرے رضاعی بھائی ہو گئے ایک ثویبہ کے تعلق سے اور دوسرے بنو سعد کی اس عورت کے تعلق سے۔[2]

رضاعت کے دوران حضرت حلیمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔ تفصیلات انہیں کی زبانی سنیے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر بنی سعد کی کچھ عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹنی بھی تھی، لیکن واللہ! اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ اِدھر بھوک سے بچہ اس قدر بِلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہیں سکتے تھے، نہ میرے سینے میں بچہ کے لیے کچھ تھا اور نہ اونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آگیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی

طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے سے انکار کر دیتی۔ کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و ہش کی امید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے۔ بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں، بس یہی وجہ تھی کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔ ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف مجھ ہی کو نہ مل سکا۔ جب واپسی کی باری آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچے لے لے کر جائیں اور تنہا میں کوئی بچہ لیے بغیر واپس جاؤں۔ میں جا کر اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا: کوئی حرج نہیں! ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بناء پر لے لیا کہ کوئی اور بچہ نہ مل سکا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر اُمنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔

ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے لبریز ہے، انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا: حلیمہ! اللہ کی قسم! تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا: مجھے بھی یہی توقع ہے۔ حلیمہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ لیکن اب وہی گدھی اللہ کی قسم! پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔ یہاں تک میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: او! ابوذویب کی بیٹی! ارے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟ میں کہتی: ہاں ہاں! اللہ کی قسم یہ وہی ہے، وہ کہتیں۔ اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔

پھر ہم بنو سعد میں اپنے گھروں کو آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روئے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا۔ لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔ ہم دوہتے اور پیتے۔ جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانور وہیں چرانے لے جایا کرو جہاں ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے... لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا، جبکہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھرپور پلٹتیں۔

اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہوتے وہ کڑا اور گٹھیلا ہو چلا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لے گئے، لیکن ہم اس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے۔ اس کی وجہ سے ہماری انتہائی خواہش یہی تھی کہ وہ ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ میرے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا مضبوط ہو جائے۔ کیونکہ مجھے اس کے متعلق مکہ کی وباء کا خطرہ ہے۔ غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انھوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔[1]

واقعہ شق صدر:

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی بنو سعد ہی میں رہے یہاں تک کہ ولادت کے چوتھے یا پانچویں[2] سال شَقّ صَدر (سینہ مبارک چاک کیے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل نے آپ کو پکڑ کر پٹخا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا، پھر دل سے ایک لو تھڑا نکال کر فرمایا: یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں، یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔[1]

ماں کی آغوشِ محبت میں:

اس واقعے سے حلیمہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا اور انھوں نے آپ کو آپ کی ماں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ آپ چھ سال کی عمر تک والدہ ہی کی آغوشِ محبت میں رہے۔[2]

ادھر آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے متوفی شوہر کی یادِ وفا میں یثرب جا کر ان کی قبر کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خادمہ اُمّ ایمن اور اپنے سرپرست عبد المطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کیلو میٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک ماہ تک قیام کر کے واپس ہوئیں۔ لیکن ابھی ابتداء راہ میں تھیں کہ بیماری نے آلیا۔ پھر یہ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام اَبْوَاء میں پہنچ کر رحلت کر گئیں۔[3]

دادا کے سایہ شفقت میں:

بوڑھے عبد المطلب اپنے پوتے کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کا دل اپنے اس یتیم پوتے کی محبت و شفقت کے جذبات سے تپ رہا تھا۔ کیونکہ اب اسے ایک نیا چرکا لگا تھا جس نے پرانے زخم کرید دیے تھے۔ عبد المطلب کے جذبات میں پوتے کے لیے ایسی رِقّت تھی کہ ان کی اپنی صُلبی اوّلاد میں سے بھی کسی کے لیے ایسی رقت نہ تھی۔ چنانچہ قسمت نے آپ کو تنہائی کے جس صحرا میں لا کھڑا کیا تھا عبد المطلب اس میں آپ کو تنہا چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ آپ کو اپنی اوّلاد سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ عبد المطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا۔ ان کے سارے لڑکے فرش کے ارد گرد بیٹھ جاتے۔ عبد المطلب تشریف لاتے تو فرش پر بیٹھتے۔ ان کی عظمت کے پیش نظر ان کا کوئی لڑکا فرش پر نہ بیٹھتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو فرش ہی پر بیٹھ جاتے۔ ابھی آپ کم عمر بچے تھے۔ آپ کے چچا حضرات

آپ کو پکڑ کر اتار دیتے لیکن جب عبد المطلب انہیں ایسا کرتے دیکھتے تو فرماتے: میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! اس کی شان نرالی ہے، پھر انہیں اپنے ساتھ اپنے فرش پر بٹھا لیتے۔ اپنے ہاتھ سے پیٹھ سہلاتے اور ان کی نقل و حرکت دیکھ کر خوش ہوتے۔[4]

آپ کی عمر ابھی ۸ سال دو مہینے دس دن کی ہوئی تھی کہ دادا عبد المطلب کا بھی سایہ شفقت اُٹھ گیا۔ ان کا انتقال مکہ میں ہوا اور وہ وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو... جو آپ کے والد عبد اللہ کے سگے بھائی تھے... آپ کی کفالت کی وصیت کر گئے تھے۔[1]

شفیق چچا کی کفالت میں:

ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا حق کفالت بڑی خوبی سے ادا کیا۔ آپ کو اپنی اوّلاد میں شامل کیا۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانا۔ مزید اعزاز واحترام سے نوازا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قوت پہنچائی اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا اور آپ ہی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کی۔ مزید وضاحت اپنی جگہ آرہی ہے۔

روئے مبارک سے فیضانِ باراں کی طلب:

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ میں مکہ آیا۔ لوگ قحط سے دوچار تھے۔ قریش نے کہا: ابو طالب! وادی قحط کا شکار ہے۔ بال بچے کال کی زد میں ہیں۔ چلیے بارش کی دعا کیجیے۔ ابو طالب ایک بچہ ساتھ لے کر برآمد ہوئے۔ بچہ ابر آلود سورج معلوم ہوتا تھا۔ جس سے گھنا بادل ابھی ابھی چھٹا ہو۔ اس کے ارد گرد اور بھی بچے تھے۔ ابو طالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔ لیکن (دیکھتے دیکھتے) اِدھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہوگئی اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آگیا اور شہر و بیاباں شاداب ہوگئے۔ بعد میں ابو طالب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا تھا:

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل [2]

"وہ خوبصورت ہیں، ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

بحیرا راہب:

بعض روایات کے مطابق ____ جو تحقیق کے رو سے مجموعی طور پر ثابت اور مستند ہیں ____ جب آپ کی عمر بارہ برس اور تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن[3] کی ہوگئی تو ابو طالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ملک شام کے سفر نکلے اور بصریٰ پہنچے بصریٰ ملک شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دار الحکومت تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا، جو بحیرا کے لقب سے معروف تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ

کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں۔ اللہ انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابو طالب نے کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرا راہب نے ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ۔ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابو طالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔[1]

جنگ فجار:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فجار پیش آئی۔ اس جنگ میں ایک طرف قریش اور انکے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن امیہ تھا کیونکہ وہ اپنے سن اور شرف کی وجہ سے قریش و کنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اسے حرب فجار اس لئے کہتے ہیں کے اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک کی گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔[2]

حلف الفضول:

اس جنگ کے بعد اسی حرمت والے مہینے ذی قعدہ میں حلف الفضول پیش آئی۔ چند قبائل قریش، یعنی بنی ہاشم، بنی مُطّلب ، بنی اَسَدَ بن عبد العزیٰ بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تَیم بن مُرّہ نے اس کا اہتمام کیا۔ یہ لوگ عبد اللہ بن جُدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے... کیونکہ وہ سن و شرف میں ممتاز تھا... اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا۔ خواہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے اور بعد میں شرفِ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ میں عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سُرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔[1]

اس معاہدے کی روح عصبیت کی تہہ سے اٹھنے والی جاہلی حمیت کے منافی تھی۔ اس معاہدے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے حلیف قبائل عبد الدار، مخزوم، جمح، سہم اور عَدِی سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے جبلِ ابو قُبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے چند اشعار پڑھے۔

جن میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبد المطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کیے ہوئے قبائل جمع ہو گئے، پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے زبیدی کا حق دلایا۔[2]

جفاکشی کی زندگی:

عنفوان شباب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معین کام نہیں تھا، البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چراتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سعد کی بکریاں چرائیں[3] اور مکہ میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے رہے۔[4] پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لیکر تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے، کہ خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار تاجر خاتون تھیں، لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لئے دیتی تھیں اور مضاربت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ پورا قبیلہ قریش ہی تجارت پیشہ تھا۔ جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی، امانت اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انہوں نے ایک پیغام کے ذریعے پیشکش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکا مال لیکر تجارت کے لئے انکے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لیجائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو دیتی ہیں اس سے بہتر اجرت آپ کو دینگی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش قبول کرلی۔ انکا مال لیکر انکے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما نے اپنے مال میں ایسی امانت وبرکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ادھر انکے غلام میسرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیریں اخلاق، بلند پایہ کردار، موزوں انداز فکر راست گوئی اور امانت دارانہ طور طریق کے متعلق اپنے مشاہدات بیان کئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو اپنا گم گشتہ مطلوب دستیاب ہوگیا۔ اس سے پہلے بڑے بڑے سردار اور رئیس ان سے شادی کے خواہاں تھے لیکن انہوں نے کسی کا پیغام قبول نہ کیا تھا۔ اب انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کی اور نفیسہ نے جاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوگئے اور اپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شثا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا۔ اس کے بعد شادی ہوگئی۔ نکاح میں بنی ہاسم اور رؤسائے مضر شریک ہوئے۔ یہ ملک شام سے واپسی کے دوماہ بعد کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں بیس اونٹ دیے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور وہ نسب ودولت اور سوجھ بوجھ میں اپنی قوم سب سے زیادہ معزز اور افضل خاتون تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی اور ان کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔[2]

ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ تمام اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے انہی کے نام پر آپکی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینب رضی اللہ عنہ، رقیہ رضی اللہ عنہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہ، فاطمی رضی الہ عنہ اور عبد اللہ پیدا ہوئے۔ عبد اللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے، البتہ بچیوں میں سے ہر ایک نے اسلام کا زمانہ پایا مسلمان ہوئیں اور ہجرت

کے شرف سے مشرف ہوئیں، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا۔ حجرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوئی۔[1]

کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا، حضرت اسماعیل علیہ سلام کے زمانے ہی سے اس کی بلندی 9 ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔......... اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گزر چکا تھا عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا جسکا رخ خانہ کعبہ کی جانب تھا اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھے سکتا تھا۔ اس لئے قریش مجبور ہو گئے کہ اسکا مرتبہ و مقام برقرار رکھنے کے لئے اسے از سر نو تعمیر کریں۔ اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اسمیں رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دینگے۔

(نئی تعمیر کیلئے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا) لیکن کسی کو ڈھانے کی جرت نہیں ہوتی تھی بلا آخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتدا کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد ابراہیمی تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ تعمیر کے لئے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔ تعمیر شروع ہوئی باقوم نامی ایک رومی معمار نگراں تھا۔ جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کی حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف و امتیاز کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا چار پانچ دن تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمین حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائیگا۔ لیکن ابو امیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حاکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت کے اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ھذا الامین رضینا ھذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر جب آپ انکے قریب پہنچے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملے کی تفصیل بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر طلب کی بیچ میں حجر اسود رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب حضرات چادر کا کنارا پکڑ کر اوپر اٹھائیں انہوں نے ایسا ہی کیا جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسم نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ یہ بڑا معقول فیصلہ تھا اس پر ساری قوم راضی ہو گئی۔

ادھر قریش کے پاس مال حلال کی کمی پڑ گئی اس لئے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی یہی ٹکڑا حطیم اور حجر کہلاتا ہے۔ اس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تاکہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔ اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے، حجر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیواریعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں، حجر اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی

بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی مشرقی اور مغربی دیواریں بارہ بارہ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جسکی اوسط اونچائی 25 سینٹی میٹر اور چوڑائی 30 سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں، یہ بھی اصل میں بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔[1]

نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصابتِ فکر، دور بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حُسنِ فراست، پختگی فکر اور وسیلہ ومقصد کی درستگی سے حظِ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور خوض، دائمی تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھیں ان سے سخت بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف پلٹ جاتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کے لیے منائے جانے والے تہوار اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے اتنی ہی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی حتٰی کہ لات وعُزیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا۔[1]

اس میں شبہ نہیں کہ تقدیر نے آپ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب بعض دنیاوی تمتعات کے حصول کے لیے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسم ورواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایتِ ربانی دخیل ہو کر رکاوٹ بن گئی۔ ابنِ اثیر کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اہلِ جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گذرا لیکن ان دونوں میں سے بھی ہر دفعہ اللہ تعالٰی نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گذرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے پیغمبری سے مشرف فرمادیا۔ ہوا یہ کہ جو لڑکہ بالائی مکہ میں میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک رات میں نے کہا: کیوں نہ تم میری بکریاں دیکھو اور میں مکہ میں جاکر دوسرے جوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کرلوں! اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں نکلا اور ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے۔ میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرا کان بند کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر سورج کی تمازت ہی سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے تفصیلات بتائیں۔ اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی رات کی طرح کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد پھر کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔[1]

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ جب کعبہ تعمیر کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس (رض) پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت عباس (رض) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اپنا تہبند اپنے کاندھے پر رکھ لو۔ پتھر سے حفاظت رہے گی، لیکن جونہی آپ (ص) نے ایسا کیا آپ (ص) زمین پر جا گرے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ افاقہ ہوتے ہی آواز لگائی: میرا تہبند۔ میرا تہبند اور آپ کا تہبند آپ کو باندھ دیا گیا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد آپ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی گئی۔[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے نرم پہلو، سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابندِ عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے، حتّٰی کہ آپ کی قوم نے آپ کا نام ہی "امین" رکھ دیا تھا کیونکہ آپ احوالِ صالحہ اور خصالِ حمیدہ کا پیکر تھے۔ اور جیسا کہ حضرت خدیجہ کی شہادت ہے " آپ صلی اللہ علیہ وسلم درماندوں کا بوجھ اٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمان کی میزبانی کرتے تھے اور مصائبِ حق میں اعانت فرماتے تھے "۔[3]

☆☆☆

1۔ آپ جیسی ہستی کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کیا کرتا

سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ یہ خاتون اول نہایت زیرک، سمجھدار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے یہ عرصہ پندرہ سال سے آپ کی زوجیت میں تھیں۔ جب شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔ یہ عظیم خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دکھ سکھ کی ساتھی تھیں۔ وہ اپنے شوہر نامدار کی خلوت اور جلوت کے لحات کو اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر غار حرا میں تاج نبوت رکھا گیا تو یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔

جب جبریل امین علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غار حرا میں مشغول عبادت تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتے نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا جس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ " اس نے دوسری بار مجھے زور سے پکڑ کر دبایا، حتی کہ مجھے شدید تھکاوٹ کا احساس ہوا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ "

تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا۔ اس نے کہا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾

"اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا"

﴿خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾

" اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا"

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ﴾

"پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے"

﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾

"وہ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا"

﴿عَلَّمَ الإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾

"اس نے انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا"

وحی کا آنا، فرشتے کا ایک بار نہیں تین بار زور سے دبانا اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہونا، یہ نہایت غیر معمولی واقعہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خاصی گھبراہٹ ہوئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی آیات پڑھتے ہوئے گھر کو چلے تو گھبراہٹ کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے لرز رہے تھے۔ گھر پہنچے تو دکھ سکھ کی ساتھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب سابق خندہ روئی سے استقبال کیا۔ ارشاد ہوا: (زَمِّلُونِي ... زَمِّلُونِي) "مجھے چادر اوڑھادو... مجھے چادر اوڑھادو۔" (زَمِّلُونِي) کے معنی لحاف اوڑھانا بھی کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپکپی طاری تھی، چنانچہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لحاف یا چادر اوڑھادی اور جب خوف دور ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟" پھر انھیں پورا واقعہ سنایا اور فرمایا:

(لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي) "درحقیقت مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔"

اب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانائی اور سمجھداری ملاحظہ فرمائیے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں تسلی دی، کہنے لگیں:

(كَلَّا وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا) "ہر گز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔" کیونکہ اللہ تعالی آپ جیسی ہستی کو ضائع نہیں کیا کرتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی گواہی دی کہ آپ تو رشتے جوڑتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، عاجز لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں اور ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور ناگہانی آفات میں متاثرین کی مدد کرتے ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:3، و صحيح مسلم، حديث:160)

قارئین کرام! ذرا اوپر لکھی ہوئی ایک ایک خوبی پر غور کریں کہ رشتوں کو آپس میں ملانا اور جوڑنا کتنا عمدہ کام ہے۔ سچ بولنا، لوگوں کا بوجھ اٹھانا، مہمان نوازی کرنا، لوگوں کی آفات میں مدد کرنا تمام کے تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق ہیں۔ یاد رکھیے کہ آپ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپ کو کبھی بددیانت یا جھوٹا نہیں کہا۔ مکہ مکرمہ میں لوگ آپ کو نام سے کم اور صفات سے زیادہ جانتے تھے۔ وہ آپ کو صادق اور امین کے القاب سے جانتے پہچانتے اور پکارتے تھے، کہتے تھے: صادق آگیا، امین آگیا۔ اسی لیے کافروں نے عطائے نبوت کے بعد بھی آپ کو براہ راست جھوٹا نہیں کہا۔ قرآن کریم نے اس کی شہادت یوں دی:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾

"یقینا یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے مگر یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔" (الأنعام 6/33)

2۔ تم آجاؤ، سو اونٹ ملیں گے

حنین کی جنگ میں مشرکین کی فوج کا سردار مالک بن عوف النصری تھا۔ بنو ہوازن سے تعلق رکھنے والا یہ کمانڈر بنو ثقیف کے تعاون سے پچیس ہزار کے لشکر کے ساتھ حنین کے میدان میں اترا۔ یہ شخص بلاشبہ بہت بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ اس کا احترام اس درجہ تھا کہ اس نے جب یہ فیصلہ سنایا کہ پوری قوم اپنے ساتھ اپنے مال، مویشی، عورتیں اور بچے بھی لے کر میدان جنگ میں آئے تو لوگوں نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا۔ اس کے موقف کی مخالفت بھی کی گئی مگر اس کے باوجود یہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ اس کا موقف تھا کہ ہمارے فوجیوں کو معلوم ہو گا کہ ہم نے اسی میدان میں ڈٹے رہنا ہے، راہِ فرار اختیار نہیں کرنی کیونکہ جن کے پاس بھاگ کر جانا ہے وہ تو ہمارے پاس ہیں۔ اگر اس کی فوجی تنظیم اور ترتیب کو دیکھا جائے تو وہ بڑی کامیاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور وہ بھاگنے لگتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور بہادری کی بدولت بھاگتے ہوئے مسلمان لوٹ آئے اور جم کر لڑائی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی۔ بنو ثقیف اور بنو ہوازن بھاگ اٹھے۔ ان بھاگنے والوں میں اس فوج کا کمانڈر مالک بن عوف بھی تھا۔ وہ بھاگ کر طائف میں بنو ثقیف کے قلعے میں محفوظ ہو گیا۔ اسی دوران میں اس کے قبیلے بنو ہوازن نے اسلام لانے کے بارے میں سوچا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دیے۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، ایک کمانڈر جو میدان جنگ میں بری طرح شکست کھا چکا ہو، اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ مالک بن عوف کی حالت یہ ہے کہ اپنے قبیلے سے الگ بنو ثقیف کے رحم و کرم پر ہے، نہ اس کے پاس مال و متاع ہے، نہ قبیلے کے افراد ہیں۔ اسے بنو ثقیف سے بھی ڈر ہے کہ وہ اسے حنین کی جنگ میں ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرا کر قتل نہ کر دیں۔

قارئین کرام! یہ مالک بن عوف ہے جو شکست خوردہ کمانڈر ہے، کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں۔ لوگ اس سے نفرت کر رہے ہیں کہ اس کی وجہ سے شکست ہوئی، مگر ایک شخصیت ایسی بھی ہے جو اس کے لیے خیر خواہانہ سوچ رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کے جذبات رکھتی ہے۔ یہ شخصیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے مالک بن عوف کی قوم کے افراد سے پوچھا: "مالک بن عوف کہاں ہے؟" انھوں نے بتایا: وہ طائف کے قلعے میں ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ وہ نہایت خوف زدہ اور اپنے مستقبل سے پریشان ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(أَخْبِرُوا مَالِكًا أَنَّهُ إِنْ أَتَانِي مُسْلِمًا) "مالک کو اطلاع دو کہ اگر وہ مسلمان بن کر میرے پاس آجائے تو" (رَدَدْتُ عَلَيْهِ أَهْلَهُ وَمَالَهُ) " میں اس کے اہل و عیال اور مال اسے واپس کر دوں گا۔"

(وَأَعْطَيْتُهُ مِائَةً مِّنَ الْإِبِلِ) "اور اسے سو اونٹ بھی دوں گا۔"

قارئین کرام! کیا کوئی اپنی جان کے دشمن کے ساتھ اس قسم کے سلوک کا سوچ بھی سکتا ہے؟ کیا اس فوج کا کمانڈر جس نے حال ہی میں فتح حاصل کی ہو، اپنے دشمن کے بارے میں ایسی مثبت سوچ رکھ سکتا ہے؟ یہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا کہ آپ دشمن کو بھی سینے سے لگا رہے ہیں۔ مالک بن عوف کو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا تو گویا یہ اس کے دل کی آواز تھی جس مصیبت اور پریشانی سے وہ دوچار تھا، اس کا حل یہی تھا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ وہ فوراً طائف سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق دیکھیے کہ آپ نے اس پر کوئی شرط عائد نہیں کی۔ اسے ملامت کی نہ برا بھلا کہا اور نہ کوئی سوال و جواب کیا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تصور سے بڑھ کر اچھا سلوک کیا۔ مالک بن عوف کو دوبارہ بنو ہوازن کا سردار مقرر کیا جاتا ہے اور اسے طائف کو فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔

(السيرة النبوية لابن هشام: 4/134، والإصابة: 5/550، 551، وأسد الغابة: 5/38،

والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 600، والبداية والنهاية: 4/632، 633)

3۔ کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟!

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ نے ایسے عام آدمی کو بھی عزت اور وقار عطا فرمایا جسے معاشرے میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔

بنو اشجع عربوں کے مشہور قبیلہ بنو غطفان کی ایک شاخ ہے۔ یہ قبیلہ زمانہ قدیم سے مدینہ طیبہ کے اطراف میں آباد تھا۔ اس قبیلے کا ایک بدوی زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔ یہ نہایت غریب شخص تھا، شکل وصورت میں بھی زیادہ خوبصورت نہ تھا مگر اس کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے خوب محبت کرتے تھے۔ زاہر بن حرام اشجعی جب بھی مدینہ طیبہ آتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ دیہاتی تحفے، مثلاً: تازہ سبزیاں، پھل، ستو، شہد وغیرہ لے کر آتا۔ زاہر جب واپس جانے لگتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے شہری سوغاتیں دے کر رخصت فرماتے۔ ایک دن تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زاہر کو ایک ایسا اعزاز عطا فرمایا جو غالباً کسی اور صحابی کے حصے میں نہیں آیا۔ ارشاد فرمایا: ''زاہر ہمارا دیہاتی دوست اور ہم اس کے شہری دوست ہیں۔''

ذرا حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں:

(إِنَّ لِكُلِّ حَاضِرَةٍ بَادِيَةً وَبَادِيَةُ آلِ مُحَمَّدٍ زَاهِرُ بْنُ حَرَامٍ)

''یقینا ہر شہری خاندان کا ایک دیہاتی دوست ہوتا ہے اور آل محمد کا دیہاتی دوست زاہر بن حرام ہے۔'' (**معجم الصحابة لأبي القاسم**:2/292)

زاہر سیدھا سادہ آدمی تھا۔ شہری آداب سے ناواقف تھا۔ جب اپنے گاؤں سے آتا تو اپنے ہمراہ لائی ہوئی سوغاتیں لے کر بازار ہی میں کسی جگہ کھڑا ہو جاتا اور بیچنا شروع کر دیتا۔ پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ دیہات سے جب کوئی شخص سبزیاں، پھل وغیرہ لے کر آتا ہے تو لوگ بھاگتے ہوئے اس کے ارد گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انھیں تازہ سبزیاں مل جاتی ہیں جو عموماً سستی ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ زاہر اپنے ہمراہ کچھ دیہاتی سوغاتیں لے کر مدینہ طیبہ کے بازار میں آیا اور ایک جگہ کھڑا ہو کر انھیں بیچنے لگا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بازار میں تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیہاتی دوست کو دیکھا تو آپ نے پیچھے سے جا کر اس کی آنکھوں پر اپنے مبارک ہاتھ رکھ دیے۔ قارئین کرام! آگے بڑھنے سے پہلے ذرا غور کیجیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کتنا بلند وبالا ہے۔ زاہر ایک عام سا آدمی ہے مگر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں اور یہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے:(ابْغُونِي ضُعَفَائَكُمْ) "مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کیا کرو۔" اور پھر مزید ارشاد فرمایا:(فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ) "تمھیں ان کمزوروں اور ضعیفوں کی بدولت رزق اور فتح حاصل ہوتی ہے"۔

قارئین کرام! ذرا تصور کیجیے کہ زاہر کی آنکھوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ریشم سے زیادہ نرم ونازک اور عنبر وگلاب سے زیادہ خوشبودار ہاتھ ہیں۔ پہلے تو وہ گھبرایا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہا ہے: کون ہے بھئی؟ میری آنکھوں پر کس نے ہاتھ رکھ دیے ہیں؟ لیکن جب اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی نزاکت کو محسوس کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سونگھ لی تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے پیچھے تو کائنات کے امام کھڑے ہیں۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور اپنی پشت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ملنا شروع کر دیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بھرے انداز میں فرمایا:"لوگو! کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟" زاہر نے بھی محبت بھرے انداز میں عرض کیا:اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ جیسے کالے کلوٹے دیہاتی کو کوئی خرید کر کیا کرے گا۔ وہ تو بڑے خسارے کا سودا کرے گا۔ میری تو قدر وقیمت ہی کوئی نہیں۔ میں تو بے کار آدمی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:"پیارے! ایسا نہ کہو، کیا تمھیں کسی نے کہا ہے کہ تمھاری کوئی قدر وقیمت نہیں؟ تم اللہ کے ہاں بیکار نہیں ہو۔ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ہو، اس لیے تم اللہ کے ہاں بڑے قیمتی ہو۔"[1]

[1]صحیح ابن حبان: 13/107، و شرح السنة: 13/181، و جمع الوسائل في شرح الشمائل: 2/29

4۔ آئندہ ایسا کرو گے تو نتیجہ بھگت لو گے

مکہ مکرمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ لوگ دور دور سے اپنے سامان تجارت کے ساتھ اس مقدس شہر میں آتے۔ ابو جہل بن ہشام نہ صرف کفر کا سرغنہ تھا بلکہ وہ رسہ گیر بھی تھا جس کو جی چاہتا ذلیل کر دیتا، مارتا، پیٹتا یا اس کے کاروبار کو نقصان پہنچاتا۔ اس کے دل و دماغ میں فرعونیت بھری ہوئی تھی۔ "زَبِید" یمن کا بڑا شہر ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو زبیدی کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک زبیدی اپنے تین بہترین اونٹوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے بازار "حزورہ" میں آتا ہے۔ اس نے انھیں فروخت کے لیے پیش کیا۔ لوگ انھیں دیکھ رہے ہیں، بڑے خوبصورت اور مہنگے اونٹ، ہر کسی کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ اتنے میں مکہ مکرمہ کا یہ بڑا چودھری ابو جہل بھی آ جاتا ہے۔ اس نے اونٹوں کو دیکھا تو اسے بڑے پسند آئے۔ ابو جہل نے زبیدی کو پکارا: ارے او زبیدی! کتنے دام لو گے؟ زبیدی ایک لمبا سفر کر کے آیا تھا۔

اسے امید تھی کہ ان اونٹوں کی فروخت سے اسے ایک بڑی رقم مل جائے گی۔ اس نے اپنی خواہش اور توقع کے مطابق دام بتا دیے۔ ابو جہل نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور کہا کہ اتنی زیادہ رقم۔

سنو! جو تم نے دام طلب کیے ہیں، میں ان کا صرف تیسرا حصہ دوں گا۔ بولو: سودا منظور ہے؟ زبیدی بڑی آس اور امید لے کر آیا تھا۔ مطلوبہ قیمت کا صرف تیسرا حصہ! اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں تو منافع چاہتا ہوں اور مجھے یہاں خسارے کا سودا کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! وہ ماحول ہی ایسا تھا۔ ابو جہل نے اونٹوں کی جو قیمت لگائی تھی، اس کی خبر فوراً پورے بازار میں پھیل گئی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ زبیدی نے اس کم قیمت پر اونٹ بیچنے سے انکار کر دیا ہے۔ ابو جہل کا خوف اور ڈر ہر کسی کو تھا۔ اب لوگ ڈر رہے ہیں کہ اگر ہم نے ابو جہل سے بڑھ کر قیمت لگائی تو وہ ناراض ہو جائے گا اور اس کی ناراضی کا مطلب یہ ہے کہ رسوا ہونا پڑے گا، لہٰذا اس کی ناراضی کے ڈر سے کوئی اونٹ خرید نہیں رہا۔ انھیں ناقابل فروخت بنا دیا گیا۔ زبیدی نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید اس کے اونٹ بک جائیں مگر کوئی گاہک ابو جہل کی ناراضی کے ڈر سے انھیں خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس کا رخ اب اس رحیم و رؤوف کی طرف ہے جو اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔ جن کی کوئی مدد نہیں کرتا، وہ اس کی مدد کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد حرام میں تشریف فرما ہیں۔

بنو زبید کا یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور دہائی دیتا ہے: قریش کی جماعت! بھلا تمھارے پاس مال کیسے آئے گا؟

تجارتی قافلے تمھاری طرف کیسے آئیں گے؟ کوئی تاجر تمھارے پاس کیسے مقیم ہو گا؟ جو تمھارے پاس حرم میں آجاتا ہے، تم اس پر ظلم کرتے ہو۔ یہ شخص پہلے قریش کے مختلف حلقوں کے پاس اپنی فریاد سنا چکا تھا مگر تمام نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: (مَنْ ظَلَمَكَ ؟) ''تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟'' زبیدی نے بتایا کہ ابو جہل نے مجھ پر ظلم کیا ہے، پھر اس نے پوری تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: (أَيْنَ أَجْمَالُكَ ؟) ''تمھارے اونٹ کہاں ہیں؟''

زبیدی کہنے لگا کہ وہ ابھی ''حزورہ'' ہی میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ہمراہ چلنے کا اشارہ کیا اور ان کے ساتھ اونٹوں کی طرف گئے۔ زبیدی کے اونٹ واقعی بڑے خوبصورت اور حسین و جمیل تھے۔ زبیدی سے پوچھا: ان کی کتنی قیمت لوگے؟

اس نے جو قیمت بتائی آپ نے وہ سودا منظور کر لیا اور اسے قیمت ادا کر دی۔ تھوڑی دیر گزری ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان خریدے ہوئے اونٹوں کو فروخت کر رہے ہیں۔ گاہک آکر دیکھ رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے دو اونٹوں کا سودا ہو گیا ہے۔ جانتے ہیں کتنی قیمت پر؟ جتنی قیمت آپ نے تین اونٹوں کی زبیدی کو ادا کی تھی اتنی قیمت میں دو اونٹوں کو فروخت کر دیا گیا ہے۔

اب منافع میں ایک اونٹ بچ گیا۔ تھوڑی دیر گزری، اس کا بھی گاہک آگیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی فروخت کر دیا ہے۔ اور جو رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے آپ نے وہ بنو عبد المطلب کی بیواؤں کو دے دی ہے۔

زبیدی کو اس کا حق مل گیا ہے، اس کے اونٹ اس کی مرضی کی قیمت پر فروخت ہو گئے ہیں۔ مگر اس بڑے مجرم کو سبق تو سکھانا ہے، اسے بتانا ہے کہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہ کرے۔ ابو جہل اسی بازار میں خاموش چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا ہے۔ سوچ رہا ہو گا کہ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی جرأت کر سکتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ڈانٹتے ہوئے خبر دار کیا:

(یَاعَمْرو! إِیَّاکَ أَنْ تَعُوْدَ لِمِثْلِ مَاصَنَعْتَ بِھٰذَا الأَعْرَابِيِّ فَتَرَىٰ مِنِّي مَاتَکْرَہُ)

" اے عمرو! دوبارہ اس طرح نہ کرنا جس طرح تم نے اس دیہاتی شخص کے ساتھ کیا ہے ورنہ تم میری طرف سے وہ کچھ دیکھو گے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔" ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شدید مرعوب ہو گیا۔ اس میں ہمت اور جرأت ہی نہ رہی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات کر سکے۔ جب آپ نے اسے متنبہ کیا تو فوراً کہنے لگا: اے محمد! میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے ہیں۔ بازار میں امیہ بن خلف اور وہ مشرکین جو اس وقت وہاں موجود تھے، ابو جہل کے پاس آئے ہیں۔ کہہ رہے ہیں: ابو الحکم! تمھیں کیا ہو گیا؟ ارے تم تو محمد کے سامنے بالکل مرے جا رہے تھے۔ کیا تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا ان کا رعب اور دبدبہ تم پر طاری ہو گیا تھا؟ ابو جہل ان کی بات کے جواب میں کہہ رہا ہے: اللہ کی قسم! میں کبھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔ ان کے روبرو میری عاجزی اس وجہ سے تھی کہ میں نے ان کا جادو دیکھ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ آدمی ہیں جن کے پاس نیزے ہیں۔ انھوں نے وہ نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا تو وہ نیزے میرے بدن میں گھونپ دیتے۔[1]

([1]أنساب الأشراف: 1/146147، و سبل الھدی والرشاد: 2/420)

5۔ دشمن جاں پر مہربانی و نوازش

غزوہ بدر 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو ہوا جس میں اللہ رب العزت نے قریش کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ مکہ مکرمہ کے باسی بدر کے معرکے کا نتیجہ سننے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ بہت بے چینی سے لڑائی کی خبروں کے منتظر تھے۔ قریش کے لوگ عموماً بیت اللہ کے صحن میں اکٹھے ہو کر نتائج کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہتے۔ بالآخر ان کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو ہی گئیں۔ سب سے پہلے جو شخص جنگ کے نتیجے کی خبر لے کر مکہ مکرمہ پہنچا اس کا نام حیسمان بن عبد اللہ الخزاعی تھا۔ یہ خود بھی اس جنگ میں شریک تھا۔ اس نے جیسے ہی بیت اللہ کے صحن میں اپنا اونٹ بٹھایا لوگ بے صبری سے اس کی طرف دوڑتے ہوئے آئے: ہاں بھئی! پیچھے کی کیا خبر ہے۔ جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟ حیسمان کہنے لگا: پیچھے کا کیا پوچھتے ہو؟!

عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مارے گئے۔ ابوالحکم بن ہشام اور امیہ بن خلف قتل کر دیے گئے۔ قریش کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ اس نے بڑے بڑے سرداروں کا نام لیا۔ جنگ کے مقتولین میں جب اس نے بڑے بڑے اشرفِ مکہ کا نام لیا تو امیہ بن خلف کا بیٹا صفوان جو حطیم میں بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ اچھا ذرا اس سے میرے بارے میں پوچھو اور کہو:

صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟ حیسمان کہنے لگا: لوگو! وہ دیکھو، صفوان تو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے مگر میں نے اس کے باپ امیہ اور بھائی علی کو خود اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ قریش کو یقین آ گیا کہ شکست کی خبر درست ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہر گھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ شکست کی خبر کو چند دن گزر چکے تھے۔ صفوان بن امیہ مکہ مکرمہ کا معروف اسلحہ فروش اور نہایت امیر آدمی تھا۔ اس کا چچازاد بھائی عمیر بن وہب بڑا چالاک اور شیطان صفت انسان تھا۔ یہ بھی غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، بلکہ مدنی لشکر کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے اسی کو روانہ کیا گیا تھا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا چکر لگایا اور واپس آ کر بتایا کہ تین سو سے کچھ زیادہ لوگ ہیں۔ یہ بڑا شرارتی اور فتنہ پرور انسان تھا۔ اسے عرف عام میں قریش کا شیطان کہا جاتا تھا۔

ایک دن صفوان اور عمیر بیت اللہ کے سائے تلے حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان شدید غصے میں تھا۔ اپنے باپ اور بھائی کے بدر میں قتل ہونے پر اس کا خون کھول رہا تھا اور وہ جوش انتقام میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ رہا عمیر تو اس کا بیٹا وہب بدر کے قیدیوں میں شامل تھا اور مسلمانوں کی تحویل میں تھا۔ مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان بزرگوں اور ساتھیوں کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد اب جینے میں کوئی مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تو میں فوراً مدینہ طیبہ جا کر شمع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روشنی گل کر دیتا۔

کیا تم واقعی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہو؟ صفوان نے بے قراری سے پوچھا۔ عمیر نے جواب دیا: ہاں بالکل! کیوں نہیں؟ بس ادائے قرض اور میرے بچوں کی کفالت کا مسئلہ حل ہو جائے تو میں یہ کام آسانی سے کر سکتا ہوں۔

صفوان بولا: تم اس کی فکر نہ کرو، یہ تو میرے لیے بہت معمولی سی بات ہے۔ میں قرض اور کفالت کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔ تمھارا سارا قرض میں اتاروں گا اور جو کچھ میرے بچے کھائیں گے اور پہنیں گے وہی تمھارے بیوی بچوں کو بھی میسر ہو گا۔ بس تم یہ کام کر دو اور ہاں دیکھو! یہ نہایت راز داری سے کرنے کا کام ہے۔ روئے زمین پر اس منصوبے کا میرے اور تمھارے سوا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ عمیر بولا: بالکل یہ راز راز ہی رہے گا۔

تم فکر نہ کرو... اچھا تو پھر ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اس بات کی کسی کو ہوا تک بھی نہیں لگے گی... میں اس منصوبے پر فوری عمل شروع کر رہا ہوں۔ صفوان! تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس مدینہ طیبہ جانے کا ایک معقول بہانہ بھی ہے۔ میرا بیٹا وہب مسلمانوں کی قید میں ہے۔ اس سے ملاقات کرنے کا بہانہ۔۔۔۔۔ اس نے اپنے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

صفوان گھر آیا۔ اپنی تلوار میان سے نکالی تو ذرا زنگ آلود نظر آئی۔ اس نے اسے خوب تیز کرنے کے بعد زہر میں بجھانا شروع کیا اور زیر لب بڑبڑایا: آہا !!اب اس تلوار سے میرے باپ اور بھائی کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر اس نے اپنی زہر میں بجھی تلوار عمیر کے حوالے کی اور اسے جلد از جلد مدینہ طیبہ روانہ ہونے کی تاکید کی۔ عمیر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں مکہ مکرمہ کی ہر مجلس میں، ہر گھر میں بدر ہی کا قصہ موضوع گفتگو تھا۔ صفوان ملنے جلنے والوں سے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہتا: بس چند ہی روز کی بات ہے۔ میں ایسی زبردست خبر سناؤں گا کہ تم لوگ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔ عمیر بن وہب اپنی چالاکی، سفاکی، شرارت طبع اور بد باطنی کے باعث "شیطان قریش" کے لقب سے مشہور تھا ہی، وہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو تکلیف دینے میں بھی پیش پیش رہتا تھا۔ بدر کے روز اس کے بیٹے وہب کو ایک انصاری صحابی رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا تھا۔

عمیر بن وہب تیزی سے سفر کرتا ہوا مدینہ طیبہ پہنچا۔ مسجد نبوی کے سامنے اپنی اونٹنی بٹھائی اور نیچے اترا۔ ادھر مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے درمیان بھی بدر کے معرکے پر ہی بات ہو رہی تھی۔ وہ اپنی کم تعداد کے باوجود اس فتح ونصرت اور تائید ربانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے اور بدر کے واقعات دہرا کر خوش ہو رہے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے بدر کی باتیں کر رہے تھے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں عزت ووقار بخشا اور کفار کو ذلیل وخوار کیا۔

اچانک آپ کی نگاہ عمیر پر پڑی جو تلوار لٹکائے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت کام آئی۔ کہنے لگے: ہو نہ ہو اللہ کا یہ دشمن کسی خطرناک ارادے سے یہاں آیا ہے۔ یہ بدر کے روز لوگوں کو جنگ کے لیے بھڑکانے والوں میں پیش پیش تھا۔ اسی نے اندازہ لگا کر کافروں کو مسلمانوں کی تعداد بتائی تھی۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تلوار کے نیام کی پٹی سے اس کی گردن دبوچ لی اور اسے گرفتار کرکے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ اللہ کا دشمن تلوار لٹکائے آرہا ہے۔ ارشاد ہوا: "عمر!

اسے چھوڑ دو، آگے آنے دو۔" فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے کہا: تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہنا اور اس خبیث پر نگاہ رکھنا۔ یہ نہایت خطرناک آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عمیر! میرے قریب آؤ۔" وہ قریب ہو کر جاہلیت کے طریقے کے مطابق کہنے لگا: اَنْعِمُوا صَبَاحًا "آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ الفاظ کے بدلے میں ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمھارے اس تحیہ سے کہیں بہتر ہے، یعنی سلام سے جو اہل جنت کا تحیہ ہے۔ ہاں عمیر! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"

اس نے کہا: میں اپنے قیدی بیٹے وہب کا حال معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ برائے مہربانی اس کے بارے میں احسان فرما دیجیے۔ فرمایا: "یہ تمھارے گلے میں تلوار کیسی لٹک رہی ہے؟" وہ بولا: اللہ ان تلواروں کو غارت کرے، انھوں نے پہلے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا ہے جو اب پہنچائیں گی! ارشاد فرمایا: "عمیر! سچ سچ بتاؤ، تم کس مقصد کے لیے آئے ہو؟" کہنے لگا: سچ کہتا ہوں، میں صرف اپنے قیدی بیٹے ہی کے لیے آیا ہوں۔ ارشاد ہوا: "کیا یہ سچ نہیں کہ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے تھے۔ تم دونوں نے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتول سرداروں کا تذکرہ کیا، پھر تم نے کہا: اگر مجھے

قرض کی ادائیگی اور اہل وعیال کی کفالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ طیبہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیتا۔ صفوان بن امیہ نے تمھارا قرض چکانے اور بچوں کو اپنی کفالت میں لینے کی ذمہ داری قبول کر لی، اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو۔ یاد رکھو عمیر! اللہ تم لوگوں کے مقابلے میں میرا محافظ ہے۔" قارئین کرام! دیکھیے، ذہین آدمی جب ایک نتیجے پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ عمیر نے یہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا: (أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ) "میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ یقینا آپ اللہ کے سچے رسول ہیں"۔ اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانوں کی جو خبریں لایا کرتے تھے، ہم انہیں جھٹلایا کرتے تھے، لیکن یہ معاملہ تو ایسا رازداری کا تھا کہ میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رب کائنات کے علاوہ کسی نے آپ کو یہ بات نہیں پہنچائی۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دی۔

اس طرف بھی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی کا دریا موجزن ہے۔ عفو و کرم ایسا کہ وہ شخص جو سید الاولین والآخرین کو قتل کرنے کے لیے آتا ہے، اس کے گھناؤنے جرم کو نہ صرف معاف کر دیا جاتا ہے بلکہ اسے اپنے ساتھیوں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

علامہ ابن الأثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(لَخِنْزِيرٌ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ حِينَ طَلَعَ)

"وہ جب مدینہ طیبہ آیا تو اس سے مجھے اس قدر شدید نفرت تھی کہ وہ مجھے خنزیر سے بھی بدتر لگتا تھا"

(وَلَهُوَ الْيَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ بَعْضِ بَنِيَّ)

""مگر اسلام لانے کے بعد یہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پیارا لگنے لگا ہے۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے صحابہ! اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ، اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی (بیٹے وہب) کو رہا کر دو۔"

عمیر رضی اللہ عنہ اس حسن سلوک کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ اپنی گزشتہ حرکات پر نادم ہے۔ ان کی تلافی کا خواہش مند ہے۔

عرض کرتا ہے: اللہ کے رسول! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے کی بہت کوشش کی، اب اپنے ان جرائم کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، مجھے مکہ مکرمہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ میں اہل مکہ مکرمہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ ان کی یہ درخواست منظور ہوئی، پھر وہ دین حق کے داعی بن کر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ادھر صفوان اپنی مطلوبہ و پسندیدہ

خبر کا بڑی بے چینی سے منتظر تھا۔ وہ مدینہ طیبہ سے آنے والے ہر مسافر سے پوچھتا۔ ہاں بھئی تمہارے پاس کوئی نئی خبر ہے؟ ایک دن اسے کسی سوار نے بتایا: صفوان! تمھارے لیے ایک بہت اہم خبر ہے۔

اس نے کہا: جلدی بتاؤ کیا خبر ہے؟ سوار نے کہا: عمیر مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ عمیر سے ساری زندگی کلام کرے گا نہ اس کے کسی کام آئے گا۔ سیرۃ ابن ہشام، والرحیق المختوم۔ نیز یہ واقعہ سیرت کی کم و بیش سب کتابوں میں موجود ہے۔ قارئین کرام! کبھی آپ نے دیکھا یا سنا کہ کسی شخص نے قتل کے لیے آنے والے کو اس طرح فراخدلی سے معاف کر دیا ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے اپنے حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو جیتا اور سروں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کی۔

6۔... اور فضالہ کی کایا پلٹ گئی

فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم تھے تو فضالہ نے بظاہر اسلام قبول کر لیا، مگر یہ شخص دل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید بغض اور عناد رکھتا تھا۔ اس نے پروگرام بنایا کہ اسے جب بھی موقع ملا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ فضالہ کو خوب معلوم تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار کا لشکر ہے اگر (وہ خدانخواستہ) اپنے اس ناپاک منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بھی اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اسے فوراً ہی گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ مگر حسد اور عناد ایسی بری لعنتیں ہیں کہ جو انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہیں، اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہیں اور وہ عاقبت نااندیش ہو کر غلط کام کر بیٹھتا ہے۔

فضالہ نے سوچا کہ اگر اس کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے بعد اسے قتل بھی کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں مگر اس منصوبے پر عمل ضرور ہونا چاہیے۔ اس نے غور و فکر شروع کیا کہ وہ کس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو سکتا ہے؟ شیطانی فکر نے اس کے ذہن میں ڈالا کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے ہوں تو یہ اس کام کے لیے بہترین موقع ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اکیلے ہوں گے، ارد گرد اگر کچھ لوگ ہوئے بھی تو وہ زیادہ نہیں ہوں گے۔ اس نے تلوار کو اپنے کپڑوں میں چھپایا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے ہوں۔ ایک دن فضالہ کو موقع میسر آ گیا، اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے ہیں۔ اس نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کب آپ پر حملہ کرے۔ طواف کے دوران وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتا ہے۔

ادھر اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر بذریعۂ وحی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فضالہ کے ناپاک ارادے کی خبر دے دی۔ آپ چاہتے تو اسے فوراً گرفتار کروا دیتے۔

آلۂ قتل تو اس کے کپڑوں میں چھپا ہوا تھا مگر یہاں رحمت ہی رحمت ہے، اپنی امت کے ساتھ خیر، بھلائی اور معافی ہے۔ فضالہ قریب سے گذر رہا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کیا اور فرمایا:

(أَفُضَالَةُ) ''ارے کیا تم فضالہ ہو؟''

کہنے لگا: اللہ کے رسول، ہاں! میں فضالہ ہوں۔

آپ نے صرف اتنا فرمایا: (مَا ذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ ؟)

''تم اپنے دل میں کیا بات سوچ رہے تھے؟'' فضالہ کہنے لگا: کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فضالہ کی بات سن کر ہنس پڑتے ہیں۔ فرمایا: (اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ)۔

''فضالہ! اللہ سے استغفار کرو۔'' اور ساتھ ہی اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ کا دل پر سکون اور سازشی خیالات سے پاک ہو گیا۔

اللہ اکبر! اس سے بڑا خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جس کے سینے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست شفقت رکھ دیں؟ فضالہ کی کایا پلٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنانے والا' اپنے دل میں بغض و عناد رکھنے والا فضالہ کہتا ہے: ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے پر رکھا، ادھر میرے دل کی کیفیت یکسر بدل گئی۔ آیئے اسی کے الفاظ پڑھتے ہیں: اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے سے اٹھایا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی نہ رہا۔

فضالہ حرم پاک سے اپنے اہل وعیال کی طرف واپس جا رہا ہے۔ راستے میں اس کی پرانی محبوبہ کھڑی تھی۔ اس نے روک لیا، کہنے لگی: آؤ چند لمحے میرے پاس گزارو۔ مگر اب یہ وہ فضالہ نہیں رہا، اس کا تزکیۂ نفس ہو چکا ہے، دل کی کیفیت بدل چکی ہے۔ اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یوں ہے: میری محبوبہ نے کہا: آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسلام مجھے ایسے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر دیکھ لیتی جب بت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے تو دیکھ لیتی کہ اللہ تعالیٰ کا دین بالکل واضح ہو گیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکی چھا گئی ہے۔[1]

([1] السيرة النبوية لابن ہشام: 4/60، والاستيعاب: 4/347، ومختصر سيرة الرسول لمحمد بن عبدالوہاب، ص: 443، والاكتفاء: 2/230)

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قتل کا منصوبہ بنانے والے کو معاف کر کے اسے جہنم جانے سے بچا لیا۔ کیا دنیا میں ایسا مہربان، شفیق اور اعلیٰ اخلاق والا کوئی اور بھی ہے؟

7۔ اُم خالد کو بلاؤ، وہ کہاں ہے؟

بچی کا نام امۃ بنت خالد اور کنیت ام خالد تھی۔ یہ سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ قریشی خاندان سے تعلق رکھنے والے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام اور ان خوش قسمت صحابہ میں سے تھے جنھیں حبشہ کی ہجرت نصیب ہوئی۔ امۃ بنت خالد حبشہ میں پیدا ہوئیں اور اپنا بچپن وہیں گزارا۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت خلف الخزاعیہ تھا۔

اس بیٹی نے بچپن میں حبشی زبان کے بعض کلمات بھی سیکھ لیے تھے۔ ان کے والد گرامی نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حبشہ سے مدینہ طیبہ کے لیے دوسری ہجرت کی۔ چھوٹی سی اس بچی کو اس کے والدین ام خالد کی کنیت سے پکارتے تھے۔ بچی کی یہ کنیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھی تھی۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے صحابہ ہی سے نہیں بلکہ ان کے بچوں سے بھی محبت فرماتے تھے اور خاص مواقع پر انھیں یاد رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ کپڑے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ کرام میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ان کپڑوں میں ایک چادر بہت ہی خوبصورت تھی۔ سرخ اور پیلی کڑھائی والی اس سیاہ ریشمی شال کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور صحابہ کرام سے پوچھا:

(مَنْ تَرَوْنَ نَكْسُوهَا هٰذِهِ الْخَمِيصَةَ) "تم کسے اس بات کا زیادہ حق دار سمجھتے ہو کہ اسے یہ شال پہنائی جائے؟"

صحابہ کرام احتراماً خاموش ہیں لیکن ذہنوں میں خیال ضرور پیدا ہوا کہ وہ کون خوش قسمت ہو گا جسے یہ خوبصورت 'جاذبِ نظر اور منقش کپڑا ملے گا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا حکم صادر فرماتے ہیں اور یہ اعزاز کسے ملتا ہے؟ خیال رہے کہ اہل اسلام کو اس طرح کا قیمتی کپڑا کبھی کبھار ہی میسر ہوتا تھا۔

ارشاد فرمایا: (إِيتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ) "ام خالد کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔" ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور ان کے والد کو بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بچی کو طلب فرما رہے ہیں۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے جلدی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ام خالد کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

قارئین کرام: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ چاہتے تو یہ کپڑا ان کے گھر بھی بھجوا سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے ام خالد کو یہ خوبصورت کپڑا پہنانے کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس بچی کی خوشی میں بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہیں، صحابہ کرام یہ منظر بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پہنا بھی رہے ہیں اور اپنی زبان حق ترجمان سے یہ فرما بھی رہے ہیں:

(هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ ! هٰذَا سَنَا) "ام خالد! یہ کپڑا تمھیں بہت جچ رہا ہے، یہ بہت خوبصورت ہے۔" (سَنَا) حبشی زبان میں خوبصورت چیز کو کہتے ہیں۔ چھوٹی سی بچی یہ تحفہ ملنے پر بڑی شاداں و فرحاں ہے۔

یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے انھیں کپڑا پہنایا۔ آپ ذرا تصور فرمائیں! ام خالد کو پوری زندگی یہ واقعہ بھولا تو نہ ہو گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بچپن میں یہ شال پہنائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچی کو ایک اور تحفہ دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) "تم اس کے پرانا ہونے تک ایک لمبا عرصہ اسے پہنو" یعنی برسہا برس تک جیتی رہو۔ دوبارہ پھر یہی ارشاد فرمایا: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) تیسری مرتبہ پھر فرمایا: (أَبْلِي وَأَخْلِقِي) "تم اسے پرانا کرو، بار بار پہنو اور لمبی عمر پاؤ۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ام خالد کے حق میں یہ دعا قبول ہوئی اور انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ صحابیات میں سب سے آخر میں وفات پانے والی ام خالد رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ ام خالد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تحفہ پا کر بہت خوش ہے، وہ آپ کی پشت پر ابھری ہوئی مہر نبوت کی علامت کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتی ہے۔ ام خالد کے والد اسے منع کر رہے ہیں، ڈانٹ رہے ہیں: ام خالد، بیٹی! یہ کیا کر رہی ہو؟ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور شفقت کو دیکھیے کہ آپ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: (دَعْهَا) "چھوڑ دو خالد! ا(سے کھیلنے دو)" ام خالد کا جب تک جی چاہا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ کھیلتی رہیں۔

قارئین کرام! ذرا اس واقعے کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی مصروف ترین شخصیت تھے، مگر یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا، بچوں کے ساتھ محبت اور پیار تھا۔ ساتھیوں کی وفائیں اور ان کی قربانیاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد تھیں۔ آپ اپنے ساتھیوں اور ان کے گھرانوں کو اعزاز دینا چاہتے تھے، اسی لیے آپ ان کے بچوں کے ساتھ اس طرح کے التفات اور محبت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ ننھی سی ام خالد اور ان کے خاندان والوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا یہ اعزاز کبھی نہیں بھولا۔ ذرا اس باپ سے پوچھیں کہ جب اس کی بیٹی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے یہ کپڑا پہنا رہے تھے، اس کی خوشی کا عالم کیا تھا؟ وہ بیٹی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو کیسے بھول سکتے تھے: (هٰذَا سَنَا يَا أُمَّ خَالِدٍ! هٰذَا سَنَا) "ام خالد! یہ بہت خوبصورت کپڑا ہے، یہ تمہیں بہت جچ رہا ہے۔"

(صحيح البخاري، حديث:5845۔ و سنن أبي داود، حديث:4026)

قارئین کرام! یہ تھی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے نبی، ہمارے ہادی اور ہمارے راہنما کے اعلیٰ اخلاق اور شفقت و محبت کی ایک جھلک۔ ام خالد بچپن ہی سے بہت ذہین و فطین بچی تھیں۔ غزوہ خیبر کے ایام میں دو بڑے بحری جہاز مہاجرین کو لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ انھی دنوں اہل اسلام کو خیبر کی فتح نصیب ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آنے والوں میں شامل تھے۔ مہاجرین جب وہاں سے آنے لگے تو نجاشی اپنے حاشیہ برداروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ انہیں الوداع کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو وصیت کی:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے میرا سلام کہنا نہ بھولنا۔ ام خالد رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ اس ذہین بچی نے اس بات کو یاد رکھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نجاشی کا سلام وہی پہنچائے۔ آپ نے مہاجرین حبشہ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

(وَاللّٰہِ مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَفْرَحُ ، بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ)

" اللہ کی قسم! مجھے پتا نہیں چل رہا کہ آج مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، خیبر فتح ہونے کی یا جعفر کے آنے کی۔"

ام خالد رضی اللہ عنہا سلام کہنے والی بات کو نہیں بھولی تھی، اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے ہوئے نجاشی کا سلام پہنچا دیا۔ ابن حجر نے 'الإصابۃ' میں ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کو پیار کیا اور اس کی کنیت ام خالد رضی اللہ عنہا رکھی۔

8۔ پیارے ساتھی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟!

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے نہ صرف بے حد محبت فرماتے تھے بلکہ ان کے حالات وضروریات کی بھی خبر رکھتے تھے۔ مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ جلیبیب ایک انصاری صحابی تھے جو مالدار تھے نہ خوبصورت، کسی بڑے قبیلے سے تعلق تھا نہ ہی کسی منصب پر فائز تھے، مگر ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے۔ قارئین کرام! قائد ہو تو ایسا کہ جو اپنے عام ساتھیوں کی بھی ضروریات کا خیال رکھتا ہو۔ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ساتھی کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا، مسکراتے ہوئے فرمایا:

(يَا جُلَيْبِيبُ أَلَا تَتَزَوَّجُ !) "جلیبیب !تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

جلیبیب جواب میں عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! مجھ جیسے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کون کرے گا؟ اب ذرا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ اپنے اس بے مایہ صحابی کو کس قدر اہمیت دے رہے ہیں اور اپنی بات کو دہرا رہے ہیں: "جلیبیب ! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" وہ پھر عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول! بھلا میرے ساتھ شادی کون کرے گا؟ مال ودولت نہ حسن وجمال اور جاہ ومنصب!! مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کے دنیوی معیار پر نہیں بلکہ ان کی دینداری اور للّٰہیت پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسری مرتبہ بھی وہی الفاظ دہرا رہے ہیں:

" جلیبیب ! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" وہ پھر اپنا وہی عذر پیش کرتے ہیں: اللہ کے رسول! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ میرے پاس مال ودولت نہیں، میرا خاندان کوئی معروف اور بڑا خاندان نہیں۔ میں خوبصورت بھی نہیں ہوں، نہ میرے پاس کوئی منصب ہے۔

تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کی مایوسی کو خوشی میں تبدیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"جلیبیب !فکر نہ کرو، تمھاری شادی میں خود کروں گا۔" وہ پھر عرض کررہے ہیں: مجھ بے وسیلہ سے تعلق قائم کرکے کون خوش ہو گا، اللہ کے رسول!؟"نہیں جلیبیب !تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو، تمہاری قدر و منزلت وہاں بہت زیادہ ہے۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے تسلی دے رہے ہیں۔

چند دن گزرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جلیبیب !فلاں انصاری کے گھر جاؤ اور اسے کہو:اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرماتے ہیں:اپنی بیٹی کی شادی مجھ جلیبیب سے کر دو۔"

جلیبیب خوشی خوشی اس انصاری کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ گھر والے اندر سے پوچھتے ہیں: کون؟ جواب دیا:جلیبیب ۔گھر والے کہتے ہیں: کون جلیبیب ؟

ہم تو ایسے کسی شخص کو نہیں جانتے۔ گھر کے مالک انصاری صحابی باہر نکلے اور پوچھا: کیا چاہتے ہو، کہاں سے اور کس مقصد سے آئے ہو؟ جلیبیب جواباً عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کو سلام بھیجا ہے۔ انصاری صحابی فرط مسرت سے کہتے ہیں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سلام بھیجا ہے... یہ تو میرے لیے بہت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ عالم سرشاری و سرور میں انھوں نے گھر والوں کو بتایا۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر جلیبیب نے کہا:اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں سلام کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ جلیبیب سے کر دو۔ صاحب خانہ نے یہ بات سنی تو سناٹے میں آ گئے۔ یہ شخص میرا داماد بنے گا؟! انھوں نے سوچا:نہ مال و دولت نہ خوبصورتی نہ بڑا خاندان۔ کہنے لگے: ذرا ٹھہرو! میں اپنے گھر والوں سے مشورہ کر لوں۔ وہ انصاری صحابی گھر کے اندر گئے، اہلیہ کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"اپنی بیٹی کی شادی جلیبیب سے کر دو۔" ماں گویا ہوئی:جلیبیب کے ساتھ شادی کیسے کر دوں؟ اپنی بیٹی ایک ایسے شخص کے سپرد کیسے کر دوں جو خوبصورت بھی نہیں، مالدار بھی نہیں اور بڑا خاندان بھی نہیں۔ ہم نے تو فلاں فلاں خاندانوں کی طرف سے آنے والے رشتوں کو مسترد کر دیا تھا۔ میاں بیوی آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔

ادھر ان کی عفت مآب اور سعادت مند بیٹی بھی پردے کے پیچھے کھڑی یہ ساری گفتگو سن رہی ہے۔ لڑکی نے معاملے کی نزاکت کو بروقت بھانپتے ہوئے جھکی ہوئی نگاہوں سے والدین سے مخاطب ہو کر آہستہ سے کہنا شروع کیا:

(أَتُرِيدُونَ أَنْ تَرُدُّوا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ أَمْرَهُ)

"کیا آپ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ٹالنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟"

قارئین کرام! اس بچی کی سوچ، فکر اور محبتِ رسول کے جذبے کو ہزار مرتبہ داد دیجیے، کہنے لگی:(ادْفَعُونِي إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم) "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیں جہاں چاہیں وہ اپنی مرضی سے میری شادی کر دیں۔" (فَإِنَّهُ لَنْ يُّضَيِّعَنِي) "کیونکہ

وہ مجھے ہر گز ضائع نہیں کریں گے۔" بچی کو یہ حقیقت معلوم تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فیصلہ فرمائیں گے اللہ تعالی اسی میں برکت عطا فرمادے گا۔

والدین نے بھی اللہ کے رسول کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ بیٹی کے اس خوبصورت اور عمدہ فیصلے سے پہلے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس رشتے کو قبول نہ کرنے کی صورت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نظر انداز کرنے والے بن جائیں گے۔ وہ اپنی بیٹی کی عقل و دانش اور عمدہ سوچ پر مطمئن ہیں۔

جلیبیب اللہ کے رسول کا پیغام پہنچا کر واپس چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس ذہین و فطین اور سمجھدار بچی کا والد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کا پیغام ملا۔ آپ کا حکم، آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر، میں راضی ہوں۔ میری بیٹی بھی، میرے گھر والے، سبھی آپ کے فیصلے سے راضی اور خوش ہیں۔

رؤوف و رحیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بچی کے جذبات اور سمع و طاعت پر مبنی جواب کا علم ہو چکا تھا۔ اب دیکھیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلی اخلاق کہ آپ اس بچی کو ایک عظیم تحفہ عطا فرماتے ہیں، اپنے مبارک ہاتھوں کو اللہ کی بارگاہ میں اٹھایا اور دعا فرمائی:

(اَللّٰهُمَّ صُبَّ الْخَيْرَ عَلَيْهِمَا صَبًّا) "اے اللہ! ان دونوں پر خیر و برکت کے دروازے کھول دے" (وَلَا تَجْعَلْ عَيْشَهُمَا كَدًّا) اور ان کی زندگی کو مشقت اور پریشانی سے دور رکھنا۔"

(موارد الظمآن: 2269، ومسند أحمد: 4/425، ومجمع الزوائد: 9/370)

اس بچی کی شادی جلیبیب سے ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں ایک اور گھر آباد ہو گیا، وہ جلیبیب جو کبھی مفلس اور قلاش تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان پر رزق کے دروازے کھل گئے۔ یہ گھرانہ بڑا مبارک اور بابرکت ثابت ہوا۔ ان کے مالی حالات بہتر ہوتے چلے گئے۔ اس گھرانے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا صلہ یہ ملا: (فَكَانَتْ مِنْ أَكْثَرِ الأَنْصَارِ نَفَقَةً وَمَالًا) "انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے خرچیلا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا۔"

(مسند أحمد: 4/422، حديث: 19799)

قارئین کرام! یہ تھا ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں سے تعلق اور واسطہ۔

آپ کا اعلیٰ اخلاق کہ کسی ادنیٰ صحابی کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے۔ اس لڑکی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا اس کے لیے نہایت خوبصورت تحفہ ثابت ہوا۔ دنیا میں بھی بھلائی نصیب ہوئی اور اطاعت رسول کے باعث جو کچھ آخرت میں ملنے والا ہے اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

9۔ جاؤ بہن! تمہاری خاطر ان مجرموں کو معاف کیا

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا نام فاختہ تھا، یہ سردار ابوطالب کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں۔ یہ سیدنا علی، عقیل، طالب اور جعفر طیار کی حقیقی بہن تھیں۔ والدہ کا نام سیدہ فاطمہ بنت اسد ہاشمیہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ہاشمی باپ اور ہاشمیہ ماں کی یہ صاحبزادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تھوڑی ہی چھوٹی تھیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دادا محترم کی وفات کے بعد اپنے چچا سردار ابوطالب کے گھر میں پرورش پائی۔ اس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ ام ہانی کا بچپن ایک ہی گھر میں گزرا۔ ام ہانی کو زمانہء جاہلیت میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ وہ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتی تھیں۔ یہ نہایت سمجھ دار، خوبرو اور غیرت مند خاتون تھیں۔ ان کی شادی بنو مخزوم کے ایک فرد ہبیرہ بن عمرو کے ساتھ ہوئی۔ ہر چند کہ ام ہانی نے فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر ہی اسلام قبول کیا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری زندگی دفاع کرتی رہیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات سیدہ ام ہانی کے گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ آپ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کروائی گئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خواہش تھی کہ سیدہ سے آپ کی شادی ہو جائے مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر جب ام ہانی نے اسلام قبول کیا تو ان کا خاوند ہبیرہ بھاگ کر نجران چلا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس چچازاد کو فتح مکہ مکرمہ کے روز یوں عزت واحترام دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے، وہاں غسل فرمایا اور انھی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق تھا کہ آپ اپنے عزیزوں کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے خاوند کے دو قریبی رشتے دار بھاگ کر ان کے پاس پہنچے اور ان سے امان طلب کی۔ یہ دونوں ایسے مجرم تھے جن کے ڈیتھ وارنٹ جاری ہو چکے تھے کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ عورت کے لیے اپنے سسرالی رشتہ داروں کی بھی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ سیدہ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! میں نے اپنے دو سسرالی رشتہ داروں کو پناہ دے رکھی ہے۔ میرا حقیقی بھائی علی بن ابی طالب ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ) ''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''

قارئین کرام! ایک اور روایت کے مطابق جب انھوں نے اپنے دیوروں کو پناہ دی تو انہیں کمرے میں بند کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر اس بہادر خاتون نے ان کا دفاع کیا۔ اپنے بھائی کو روکا اور سیدھی اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے پردہ کیا ہوا تھا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ام ہانی بنت ابی طالب۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَرحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ)۔ ''ام ہانی! خوش آمدید۔''

جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ سیدہ ام ہانی نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اپنے ماں جائے بھائی علی کی شکایت لے کر حاضر ہوئی ہوں:

(إِنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ. فَقَالَ صلي الله عليه وسلم: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيءٍ)

''علی فلاں ابن ہبیرہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ام ہانی! فکر نہ کرو جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''

(صحيح البخاري، حديث: 357۔ و صحيح مسلم، حديث: 336)

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا ایک اور پہلو سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے درج ذیل واقعے میں بھی نظر آتا ہے:

فتح مکہ مکرمہ کے بعد سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا خاوند ہُبیرہ نجران کی طرف بھاگ گیا تھا۔ وہیں اس کی موت واقع ہوگئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی سے نکاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رشتوں سے نواز دے گا۔ وہ پہلے بھی آپ کی قریبی رشتہ دار ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ کی زوجیت میں آجائیں گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند کیا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح بھجوادیا۔ سیدہ نے اس کے جواب میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن آپ کا حق بہت عظیم ہے۔

میرے پاس یتیم بچے ہیں جن کی میں پرورش کررہی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں آپ کی خدمت کا حق ادا کرنے لگ جاؤں تو میرے بچوں کے حقوق متاثر ہوں گے اور اگر اپنے بچوں کے حقوق ادا کرنے لگ گئی تو آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کمی آجائے گی۔ یہاں پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے سیدہ کا جواب سنا تو نہ صرف اس جواب پر خوش ہوئے بلکہ آپ نے قریشی خواتین کی تعریف فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(نِسَاءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَاءٍ) ''قریش کی عورتیں تمام عورتوں سے بہتر ہیں۔''

(رَكِبْنَ الْإِبِلَ) "اونٹ کی سواری کر لیتی ہیں۔" (أَحْنَاهَا عَلٰى وَلَدٍفِي صِغَرِهِ) "چھوٹے بچوں پر نہایت مہربان اور مشفق ہیں۔"

(وَأَرْعَاهَا عَلٰى بَعْلٍفِي ذَاتِ يَدِهِ) "اور اپنے شوہروں کا تمام امور میں بہت خیال رکھنے والی ہیں۔"

(صحيح البخاري، حديث:3434، و صحيح مسلم، حديث:2527)

10۔جب بیٹا باپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا

عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ تھا۔ عبد اللہ بن اُبی جتنا بڑا منافق اور اسلام کا دشمن تھا، اس کا بیٹا اتنا ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان قربان کرنے والا تھا۔ یہ بڑا مخلص مؤمن تھا۔ غزوہ بنی مصطلق میں عبد اللہ بن ابی کی بکواس اس کے پاس بھی پہنچ گئی کہ اس نے کہا تھا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان لوگوں پر کوئی پیسہ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ اور یہ بھی کہا: اگر ہم مدینہ طیبہ واپس گئے تو مدینہ طیبہ کے معزز افراد وہاں کیسے عزت لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

اس نے اپنے آپ کو معزز اور معاذ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو (خاک بدہن منافق) غیر معزز کہا تھا۔ یہ بات کوئی معمولی نہ تھی جسے نظر انداز کیا جاتا۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک معزز سردار اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (أَوَمَا بَلَغَكَ مَاقَالَ صَاحِبُكُمْ) "کیا تمھارے ساتھی نے جو کچھ کہا ہے، وہ تمھیں معلوم ہے؟" اسید بن حضیر نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کون سا ساتھی؟

فرمایا: "عبد اللہ بن ابی۔"

عرض کیا: کیا کہا ہے اس نے؟

فرمایا: (زَعَمَ إِنْ رَجَعَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَاالْأَذَلَّ) "اس کا خیال ہے کہ جب وہ واپس مدینہ طیبہ لوٹے گا تو جو معزز ہے وہ ذلیل کو باہر نکال دے گا۔"

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ چاہیں تو اللہ کی قسم! آپ خود ہی اسے مدینہ طیبہ سے نکال دیں گے۔ اللہ کے رسول! آپ صاحب عزت ہیں، ذلیل تو وہی ہے۔ پھر عرض کی: اللہ کے رسول! اس سے نرمی برتیے۔ اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس وقت لایا جب قوم اس کے لیے موتی پرو رہی تھی کہ اسے بادشاہی کا تاج پہنادیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔

یہی باتیں تفصیل سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچیں جب ان کا باپ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس آرہا تھا اور ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا تھا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے میان سے تلوار نکالی اور باپ کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ باپ کی سواری آئی تو اسے روک لیا۔

نیک بخت بیٹے نے باپ سے کہا:

(أَأَنْتَ الَّذِي تَقُولُ لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ تُرِيْدُ رَسُولَ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم)

"کیا تم نے یہ بات کہی ہے کہ جب ہم واپس مدینہ طیبہ جائیں گے تو عزت دار ذلیل کو شہر سے باہر نکال دے گا؟ تمھارا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے؟"

اور ایمانی حرارت ملاحظہ فرمایئے کہ بیٹا اپنے باپ سے کہہ رہا ہے:

(وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ أَبَدًا حَتّٰى تَقُولَ :رَسُولُ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم هُوَ الْأَعَزُّ وَأَنَا الْأَذَلُّ)

''"اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک اس بات کا اقرار نہ کرلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت دار ہیں اور تم ذلیل ہو۔"

کہنے لگے: تمھاری یہ مجال کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہرزہ سرائی کرو۔ ہاں، ایک صورت ہے کہ (أَوْ يَأْذَنَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم) "اگر تمھارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں تو تم مدینہ طیبہ داخل ہوسکتے ہو۔" رک جاؤ، تم اجازت کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اسی دوران میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ عبد اللہ بن ابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ تب بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ طیبہ جانے دیا۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ میرے والد کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ حکم دیں تو میں خود ہی اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

قارئین کرام! محبت اس کا نام ہے۔ اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت کہتے ہیں۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! سارے خزرج کو معلوم ہے کہ پورے قبیلے کا کوئی آدمی مجھ سے بڑھ کر اپنے والد کا خدمت گار نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ نے کسی اور کو اس کے قتل کا حکم دیا تو شاید میں برداشت نہ کرپاؤں۔ اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں گا تو کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کر بیٹھوں گا اور جہنم کا مستحق ٹھہروں گا۔ ذرا غور کیجیے کہ بیٹا اپنے منافق باپ کے قتل کی اجازت طلب کر رہا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:(بَلْ نَتَرَفَّقُ بِهِ وَنُحْسِنُ صُحْبَتَهُ مَا بَقِيَ مَعَنَا)"بلکہ ہم اس سے نرمی کا برتاؤ کریں گے اور جب تک وہ بظاہر ہمارے ساتھ ہے، اس سے اچھا سلوک ہی کریں گے۔" قارئین کرام! آپ دیکھیے ایک بیٹے کا مضبوط موقف، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ورضا کو باپ کی محبت ورضا پر مقدم رکھنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمانِ کامل کی دلیل ہے۔ نیک بخت بیٹے نے باپ سے محبت کی بھی ایک مثال قائم کر دی۔

ذرا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو بھی ملاحظہ کیجیے کہ خلق عظیم کے مالک نے بیٹے کے سوال کا جواب بھی کشادہ دلی، درگزر، شفقت اور حسن سلوک کے ساتھ دیا ہے۔ ایسی درگزر کے کیا کہنے!! عظمت اخلاق نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ وجلال کی بات ہی کیا ہے!

(الرحيق المختوم:341، والسيرة النبوية للصلابي:2/269، 270، والبداية والنهاية:4/366، 368)

11-انہیں جب بھی دیکھا آنکھیں بے اختیار بہنے لگیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ بچوں کو چومتے، ان کو گلے لگاتے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کے ساتھ بطور خاص بڑی محبت فرماتے تھے۔ اللہ کے رسول بعض اوقات دن کے پہلے پہر اپنے بعض رشتہ داروں یا ساتھیوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کے راوی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں: میں ایک دن مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ دن روشن ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس پر قدرے دباؤ ڈال کر مجھے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ میں آپ کے ہمراہ چل پڑا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ اپنی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف تھا۔ ان دنوں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مسجد نبوی کے مشرق میں واقع بنو قینقاع کے بازار کے گرد ونواح میں رہائش پذیر تھیں۔ بنو قینقاع کا یہ بازار بقیع الغرقد کی طرف تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم دونوں خاموشی سے کوئی گفتگو کیے بغیر بازار کے قریب سے گزرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں داخل ہوئے، اسے ایک نظر دیکھا... پھر وہاں سے چل دیے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ صحن میں تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:(أَيْنَ لُكَعُ؟) "چھوٹو کدھر ہے؟" پھر فرمایا:(أَيْنَ لُكَعُ؟) "چھوٹو کدھر ہے؟" پھر تیسری مرتبہ ارشاد ہوا:"چھوٹو کدھر ہے؟" یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرما رہے تھے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ادھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادے کو تیار کر رہی تھیں، اس لیے کوئی جواب نہ آیا۔ ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وہ سیدنا حسن کو نہلا کر اچھا لباس پہنا رہی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میں تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے۔

جب ہم مسجد میں آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہونے کے بعد پھر فرمانے لگے:(أَيْنَ لُكَعُ؟) ”چھوٹو کدھر ہے؟“ تھوڑی دیر گزری تھی کہ سیدنا حسن اپنے گلے میں ہار پہنے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیارے نواسے کو دیکھا تو اپنے بازوؤں کو کھولتے ہوئے ان کا استقبال فرمایا۔ ادھر سیدنا حسن نے بھی اپنے بازو پھیلا دیے اور کہا: ایسے، پھر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کود گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کو چوما، اسے اپنے سینے سے لگایا۔ ادھر حسن اپنے ننھے منے ہاتھوں سے داڑھی مبارک سے کھیلنے لگے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کو چومنا شروع کر دیا۔ پھر سیدنا حسن کے لیے دعا فرمائی:(اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ)”اے اللہ! میں بے شک اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔“

(صحيح البخاري، حديث:5884)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تین مرتبہ فرمائی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے محترم نانا جان اور محبوب نواسے کے درمیان محبت کے اس منظر کو ہمیشہ یاد رکھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے آخری حصے کو وہ کبھی نہیں بھولے:(وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ) ”جو حسن سے محبت کرے، اے اللہ! تو بھی اس سے محبت فرما۔“ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل قابل غور ہے کہ وہ جب بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرطِ محبت وعقیدت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ آیئے حدیث میں انھی کے الفاظ پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں:(مَا رَأَيْتُ حَسَنًا قَطُّ إِلَّا فَاضَتْ عَيْنَايَ دُمُوعًا) ”میں نے حسن کو جب بھی دیکھا تو میری دونوں آنکھیں محبت وعقیدت سے آنسو بہانے لگتیں۔“

(مسند البزار:14/403، حديث:8155)

قارئین کرام! یہ تھا ہمارے رسول اور ہادی، ہمارے قُدوہ، ہمارے راہنما، سید ولد آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کہ آپ نہایت مصروف ہونے کے باوجود اپنے نواسوں سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کے لیے وقت نکالتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن کو چوم رہے تھے۔ بنو تمیم کا سردار اقرع بن حابس بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ یہ بدو سردار فتح مکہ مکرمہ کے وقت مسلمان ہوا۔ حنین اور غزوہ طائف میں شریک تھا۔ اسے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ اس لیے اسے (مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب) میں شامل کیا گیا۔ بدو سرداروں میں سختی اور کھردراپن زیادہ ہوتا ہے۔ صحراء نشین اپنے بچوں سے کم ہی محبت کرتے ہیں۔ اس نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنے نواسے کو چوم رہے ہیں تو کہنے لگا:

(إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا)

”حقیقت یہ ہے کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بدو سردار کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں: (مَنْ لاَ يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ) ''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔''

(صحيح البخاري، حديث: 5997، و صحيح مسلم، حديث: 2318)

عزیز قارئین! یہ تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ کہ آپ بڑوں اور بچوں سب پر یکساں رحمت و شفقت فرمانے والے تھے۔

12۔ بھٹکا ہوا خوش قسمت راہی

ثمامہ بن اثال یمامہ کے علاقے کا حکمران تھا۔ یہ علاقہ آج کل کے سعودی دارالحکومت ریاض کے قرب و جوار میں واقع تھا۔ ثمامہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ قتل کرنے کا چیلنج دے رکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ سے اس پر قابو پانے کی دعا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ ثمامہ عمرہ کرنے کے ارادے سے نکلا۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ راستہ بھول گیا اور مدینہ طیبہ کے قریب جا نکلا۔ رحمت عالم کے پاس جو بھول کر آگیا اس کا بھی بیڑا پار ہو گیا اور دائمی کامیابی اس کا مقدر بن گئی۔ مسلمانوں کے حفاظتی دستے ہر وقت مدینہ طیبہ کے اطراف میں گشت کرتے رہتے تھے۔ کوئی مشکوک شخص، دشمن کا کوئی جاسوس یا کوئی کافر برے ارادے سے مدینہ طیبہ کا رخ کرتا تھا تو حفاظتی دستے اس کے ناپاک ارادے ناکام بنا دیتے تھے۔ ثمامہ ایک حفاظتی دستے کی گرفت میں آگیا۔ چونکہ یہ شخص اپنے کفر میں معروف تھا اور اسلام دشمنی میں اس کے عزائم ڈھکے چھپے نہ تھے، اس لیے اُسے گرفتار کر کے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دشمن اسلام کی گرفتاری کی خبر دی گئی۔ آپ تشریف لائے، اُسے دیکھا۔ لمبا قد، خوبصورت چہرہ، توانا جسم، بھرا ہوا سینہ، اکڑی ہوئی گردن، اٹھی ہوئی نگاہیں، تمکنت، شان، شکوہ، سَطوت، صَولت، غرض برے حکمرانوں والے تمام عیوب اس کی شخصیت سے عیاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور پوچھا:

''ثمامہ کیا حال ہے؟ آخر میرے رب نے مجھے تم پر قابو دے ہی دیا۔'' اس نے نہایت غصے اور تکبر سے جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ٹھیک ہے۔ معاملہ ایسا ہی ہو گیا ہے مگر سنو! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میرے قتل کا بدلہ لیا جائے گا کیونکہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں اور اگر مجھے معاف کر دو گے تو ایک ایسے شخص کو معاف کرو گے جو اس کا شکر گزاری کے ساتھ بدلہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہاں، اگر مال و دولت کی ضرورت ہو تو جتنا چاہو دیا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! ذرا یہاں رک جائیے۔ اس کی گفتگو اور لب و لہجے پر غور فرمائیے کہ وہ تاریخ کی سب سے بڑی شخصیت سے کتنی بے ادبی سے اور کس قدر متکبرانہ انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ دنیا کا کوئی اور حکمران ہوتا تو اسی وقت اس گستاخ کی گردن اڑانے کا حکم دے دیتا، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے حلم، صبر و ثبات، عالی ظرفی اور اعلیٰ اخلاق کے کیا کہنے کہ گستاخانہ گفتگو سننے کے بعد بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ کوئی سخت بات نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کی ضیافت کرو۔

دوسرا دن ہوا تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کے پاس سے گزرے اور دریافت فرمایا: ''ثمامہ کیا حال ہے؟''

اس نے پھر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! خیریت سے ہوں۔

(إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ)

''اگر قتل کر دوگے تو یہ ایک ایسے شخص کا قتل ہوگا جس کا خون رائیگاں نہ جائے گا۔''

(وَإِنْ تَعْفُ تَعْفُ عَنْ شَاكِرٍ وَإِنْ تَسْأَلْ مَالاً تُعْطَهُ)

'' اگر معاف کر دوگے تو ایسے شخص کو معاف کروگے جو شکر گزار ہوگا اور اگر مال چاہتے ہو تو بات کرو، پیش کر دیا جائے گا۔''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جیسے مساکین آپس میں گفتگو کرتے تو کہتے تھے: اسے قتل کر کے کیا ملے گا؟ امیر آدمی ہے، اس سے مال ہی لے لینا چاہیے۔ کم از کم کچھ دنوں کے لیے روٹی تو میسر آجائے گی۔

تیسرا دن ہوا، آج اسی چیز کا فیصلہ ہونا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: ''ثمامہ کس حال میں ہو؟'' اس نے حسب سابق کہا: خیر ہے اور ساتھ ہی اپنے گزشتہ الفاظ دہرا دیے جن میں اس نے بڑے طمطراق سے فخریہ انداز میں اپنے قبیلے کا ذکر کیا، اپنے مال و دولت کی کثرت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی دھمکی بھی دے ڈالی۔ صحابہ کرام منتظر ہیں کہ دیکھیں اس گستاخ کو کیا سزا ملتی ہے۔ وہ آپ کی آواز اور حکم کی طرف کان لگائے کھڑے تھے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: ''اس کی رسیاں کھول دو۔'' پھر ثمامہ سے فرمایا: ''جاؤ میں تمھیں بغیر کسی شرط کے رہا کرتا ہوں۔'' حکم کی تعمیل ہوئی، ثمامہ کو رہا کر دیا گیا۔

اس نے اپنی سواری پکڑی اور مدینہ طیبہ سے باہر بھاگنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم سے وہ اپنی جان سلامت لے کر نکل آیا تھا لیکن وہ اپنا دل تو رحمۃ للعالمین ہی کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ مسجد نبوی سے باہر نکلتے ہوئے اُسے بے اختیار خیال آیا کہ اتنا برگزیدہ اور اتنا بلند حوصلہ انسان تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرے الفاظ میں کتنی شدت اور حدّت تھی مگر اس کے باوجود ان کا تحمل ان کے غصے پر غالب آیا اور انھوں نے مجھے رہا کر دیا... اُردو کے کسی شاعر نے اسی کیفیت کو بیان کیا ہے:

؎اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں گیا، کنویں پر غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے، پھر اس کے قدم خود بخود مسجد نبوی کی طرف بڑھنے لگے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک مسجد نبوی میں ہی تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: "ثمامہ! ہم نے تو تمھیں چھوڑ دیا تھا تم پھر چلے آئے ؟!"

اُس نے عرض کیا: آپ کا رہا کرنا بھی کیا خوب رہا کرنا ہے۔ آپ نے چھوڑا تو ہے مگر ہمیشہ کے لیے اپنا بنا کر۔ اب میں بادشاہ نہیں آپ کا غلام ہوں۔ میری تمنا ہے کہ مجھے کلمہ پڑھایئے اور اپنے جاں نثاروں میں شامل کر لیجیے۔ اسلام کی نعمت ملنے کے بعد اس نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کائنات میں آپ کا چہرہ میرے لیے سب سے زیادہ قابل نفرت تھا۔ آپ کے دین کو میں نہایت برا سمجھتا تھا۔ آپ کا شہر میرے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ مگر آپ کے دامان رحمت میں آجانے کے بعد اب آپ کا چہرہ مجھے کائنات کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ دنیا کا کوئی دین آپ کے دین سے بہتر اور افضل نہیں۔ آپ کی یہ بستی روئے زمین کی ساری بستیوں کے مقابلے میں میرے لیے محبوب ترین ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ عرض کر رہا ہے: اللہ کے رسول! میں عمرے کی نیت سے گھر سے نکلا تھا۔ اب جبکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، مجھے عمرے کی اجازت عطا فرمائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تربیت فرمائی اور عمرے کا صحیح طریقہ بتایا۔ وہ مکہ مکرمہ چل دیا۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ عرب کے نمایاں افراد میں سے تھا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور اسلام کے حوالے سے مجالس میں گفتگو کرتا رہا۔ کفار کے لیے یہ باتیں بہت تکلیف دہ تھیں، چنانچہ انھوں نے کہا: (صَبَأَ ثُمَامَةُ) "ثمامہ بے دین ہو گیا۔"

اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ثمامہ کی جان ہے! یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مکہ مکرمہ میں نہیں آئے گا۔ اپنے وطن پہنچ کر اس نے اپنی بات پر عمل کیا اور مکہ مکرمہ کو اناج کی سپلائی بند کر دی۔ مکہ مکرمہ میں قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اہل مکہ مکرمہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا جس میں اپنی قرابت کا واسطہ دیا اور درخواست کی کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ کے نام یمامہ سے گندم کی ترسیل کے لیے حکم نامہ جاری فرمائیں۔

قارئین کرام! یہاں تھوڑی دیر کے لیے رک جائیے اور غور کیجیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر عالی ظرف اور اعلیٰ اخلاق والے تھے کہ باوجود اہل مکہ مکرمہ کے زبردست مظالم کے آپ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ اہل مکہ مکرمہ کے لیے گندم کی سپلائی بحال کر دیں۔ کیا ایسے نادر اور اعلیٰ اخلاق کی دنیا میں کوئی اور مثال نظر آتی ہے؟

(صحیح البخاري، حدیث:4372، وفتح الباري:8/109111،

وزاد المعاد:3/277، والسیرة النبویة لابن ہشام:4/296,295)

13۔ پیارے بچے! جاؤ میرا کام تو کر کے آؤ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مختلف گھرانوں نے آپ کی خدمت میں تحائف پیش کیے۔ انصاری گھرانوں میں ایک خاتون کا نام ام سلیم رضی اللہ عنہا تھا۔ بنو نجار سے تعلق رکھنے والی بڑی ذہین وفطین، سمجھدار اور اعلیٰ اخلاق کی مالک یہ خاتون اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عقیدت ومحبت رکھتی تھیں۔ سیرت نگاروں کے مطابق یہ اللہ کے رسول کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے تھیں۔ اس خاتون نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چھوٹے موٹے کام کرنے والا کوئی خادم نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں بیٹے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے؛ چنانچہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے دس سالہ بیٹے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے اس چھوٹے بیٹے انس کو بطور خادم قبول فرمالیں۔ یہ آپ کے روزمرہ کے کام کر دیا کرے گا۔ واہ واہ! سیدہ کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔ انس خادم رسول کے لقب سے معروف ہوئے۔ یہ آپ کے گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کوئی پیغام بھجوانا ہوتا یا کسی کو بلوانا ہوتا تو ننھے انس کے ذمے لگا دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا)

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں بہترین اخلاق کے مالک تھے۔"

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا تو میں نے کہا: (وَاللّٰهِ لاَ أَذْهَبُ) "اللہ کی قسم! میں تو نہیں جاؤں گا۔" کہتے ہیں: میں گھر سے نکلا تو دیکھا سامنے بازار میں لڑکے کھیل رہے تھے، میں بھی ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزری کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پشت کو پکڑ لیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دونوں کندھوں پر اپنے

دست مبارک رکھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا (وَہُوَ یَضْحَکُ)''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا:(یَا أُنَیْسُ اذْہَبْ حَیْثُ أَمَرْتُکَ ...) آپ نے بڑی محبت سے انس کے بجائے انیس کہہ کر پکارا کہ ''انس میرے پیارے بچے! میں نے تمھیں جہاں جانے کے لیے کہا تھا وہاں چلے جاؤ۔'' میں نے عرض کی: ہاں! اب میں جاؤں گا۔ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے کام کے لیے چلے گئے۔

(صحیح مسلم، حدیث:2310، و سنن أبی داود، حدیث:4775)

قارئین کرام! ذرا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ پر غور فرمائیں کہ آپ نے اپنے خادم خاص کو نہ توڈانٹا' نہ ناراض ہوئے 'نہ سخت الفاظ استعمال کیے بلکہ آپ انس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اسی لیے تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں:(وَاللّٰہِ لَقَدْ خَدَمْتُہُ سَبْعَ سِنِینَ ...) اور ایک دوسری روایت کے مطابق (تِسْعَ سِنِینَ) ''اللہ کی قسم! میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سات یا نو سال خدمت کی، اس دوران میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مجھے کسی بھی کام پر یہ فرمایا ہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا میں نے کسی چیز کو چھوڑا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو:(ہَلاَّ فَعَلْتَ کَذَا أَوْ کَذَا) ''تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔''

(صحیح مسلم، حدیث:2309)

قارئین کرام! یہ تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کی ایک جھلک کہ آپ نے کبھی اپنے نوکر، ملازم یا غلام کو نہ تو مارا نہ کبھی اس پر ناراض ہوئے۔

14۔ سات کافروں کو جہنم رسید کر کے شہید ہونے والا مجاہد

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے انصاری صحابی کا نام جلیبیب رضی اللہ عنہ تھا۔ ہم ان کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ یہ زیادہ خوبصورت بھی نہ تھے اور ان کا قد بھی بڑا نہ تھا اور نہ ہی خاندان معروف تھا۔ مال و دولت بھی پاس نہ تھی مگر یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ بھی اپنے اس ساتھی سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، لشکر میں سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ جنگ کے اختتام پر صحابہ کرام اپنے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو تلاش کرنے لگے کہ ان کا کیا حال ہے؟ کہیں وہ زخمی یا شہید تو نہیں ہو گئے۔ ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو تلاش کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:(ہَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟) ''دیکھو تمھارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟'' صحابہ کرام نے عرض کی: فلاں فلاں شخص موجود نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا:(ہَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟) ''کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟'' عرض کی گئی: نہیں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا:(لٰکِنِّی أَفْقِدُ جُلَیْبِیبًا

فَلَطَلُبُوہُ) "لیکن مجھے میرا جلیبیب نظر نہیں آرہا، جاؤ اسے تلاش کرو۔" صحابہ کرام میدان جنگ میں چلے گئے۔ شہداء اور زخمیوں میں جلیبیب کو تلاش کرتے رہے، میدان کے ایک کونے میں جلیبیب نظر آئے۔

وہ منظر بڑا عجیب اور خوبصورت تھا کہ ان کی نعش کے ارد گرد سات کافروں کی لاشیں تھیں۔ وہ ان سات کافروں سے اکیلے لڑتے رہے۔ ان ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہو گئے۔ ایک صحابی رسول دوڑتے ہوئے گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! جلیبیب مل گئے ہیں مگر اس حالت میں ملے کہ ان کی نعش کے ارد گرد سات کافروں کی لاشیں ہیں۔

رؤوف ورحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود چل کر موقع پر تشریف لے گئے۔ کتنا پیارا اور خوبصورت منظر ہو گا کہ انبیاء کے امام نے ایک عام صحابی کو اتنی اہمیت دی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اپنے ساتھی کی نعش کے پاس کھڑے ہوئے، منظر کو دیکھا اور ارشاد فرمایا: (قَتَلَ سَبْعَةً ثُمَّ قَتَلُوهُ) "اس نے سات کو قتل کیا پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔" (هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ) "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔" (هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ) "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔" شہداء کو دفنانے کا مرحلہ درپیش ہے۔ قبریں کھودی جا چکی تھیں۔ دیگر شہداء کو دفن کیا جا رہا تھا اور اب باری جلیبیب رضی اللہ عنہ کی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، اپنے مبارک ہاتھوں سے جلیبیب کو اٹھایا۔ جلیبیب رضی اللہ عنہ کی شان تو دیکھیے کہ اللہ کے رسول نے ان کی نعش کو اکیلے ہی اٹھایا ہوا ہے۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بازوؤں کا سہارا جلیبیب رضی اللہ عنہ کو میسر ہے۔ اللہ کے رسول اپنے دست مبارک سے اپنے اس محب کو لحد میں اتار رہے ہیں۔

(صحیح مسلم، حدیث:2472، و مسند أحمد:4/421، حدیث:19793)

قارئین کرام! کبھی آپ نے ایسا قائد اور لیڈر دیکھا جو اپنے ایک عام ساتھی کے ساتھ اس طرح محبت کرنے والا ہو۔

"یقینا تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا ہے، تم پر مصیبت آئے تو اس پر گراں گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کا حریص ہے، مومنوں کے ساتھ بہت نرمی کرنے والا اور بہت رحم دل ہے۔"

(التوبة 9:128)

15۔ خوش نصیب شہسوار

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسوں سے شدید محبت تھی۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما جنت کے پھول ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ) کا لقب دیا کہ وہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ان کو اپنی گود میں بٹھاتے، ان کو چومتے اور ان کے لیے دعا فرماتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا نام

شداد بن الہاد تھا۔ ان کی اہلیہ کا نام سلمٰی بنت عمیس تھا جو سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ سیدہ اسماء کی شادی یکے بعد دیگرے سیدنا جعفر طیار، سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوئی تھی۔ سلمٰی رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن بھی تھیں۔ اس رشتے کی مناسبت سے شداد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان تینوں جلیل القدر صحابہ کرام کے ہم زلف بھی ہوئے۔ شداد بن الہاد اس واقعے کے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین میں سے کسی ایک کو نیچے بٹھا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھانی شروع کر دی۔

ادھر جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے یہ نواسے پشت مبارک پر چڑھ گئے اور کھیلنا شروع کر دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ لمبا کر دیا۔ شداد کہتے ہیں: جب آپ کا سجدہ غیر معمولی لمبا ہو گیا تو ہمیں فکر لاحق ہو گئی کہ اللہ نہ کرے کہیں کوئی حادثہ تو نہیں گزر گیا۔ کہتے ہیں:

میں نے اپنا سر سجدہ سے اٹھا کر دیکھا کہ ایک بچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سوار ہے اور آپ سجدہ کی حالت میں ہیں۔ شداد کہتے ہیں کہ میں نے دوبارہ اپنا سر سجدہ میں رکھ لیا۔ ادھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی، سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ نے غیر معمولی طور پر اپنی عادت کے برعکس بہت زیادہ لمبا سجدہ کیا۔

ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو یا ممکن ہے آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ رحمتِ کائنات نے فرمایا: (كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ) ''ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' یعنی نہ تو کوئی حادثہ ہوا اور نہ ہی وحی کا نزول ہوا۔ ''بلکہ میرا بیٹا میری پشت پر سوار کھیل رہا تھا۔''

(فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ) ''میں نے مناسب نہ سمجھا کہ میں جلدی سے سر کو سجدہ سے اٹھاؤں، بچہ کھیل رہا تھا، میں نے چاہا کہ اسے کھیلنے دوں حتی کہ وہ اپنا شوق پورا کر لے۔''

(سنن النسائی، حدیث:1142، و مسند أحمد:3/493، حدیث:16076)

16۔ تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں اچک لیتی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیرت واخلاق میں اعلیٰ اور اکمل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو ان کے حقوق عطا فرمائے۔ خصوصاً ضعیفوں، کمزوروں اور غلاموں کے ساتھ آپ کا سلوک بے حد عمدہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی کسی غلام کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:

(إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ)

"تمھارے یہ خدام تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔"

اب تمھارا ان کے ساتھ سلوک ایسا ہونا چاہیے کہ

(فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ)

"جس کسی کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو اسے چاہیے کہ جو وہ خود کھاتا ہو وہ اسے بھی کھلائے اور جیسا خود پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے۔"

(صحيح البخاري، حديث:30، و صحيح مسلم، حديث:1661)

اگر ہم دور جاہلیت کے غلاموں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کوئی حقوق نہ تھے۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھیں کہ آپ نے غلاموں کو معاشرے میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ عربوں کے ہاں اگر کوئی غلام آزاد بھی ہو جاتا تھا تو اسے "مولیٰ" کہا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا عیب تصور کیا جاتا تھا۔ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ کی رحمت ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے غلاموں کو حقوق عطا کرتے ہوئے فرمایا:

(لَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ)

"ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر کام کا بوجھ نہ ڈالو، لیکن اگر تم اپنے نوکروں یا غلاموں کو اس طرح کا مشقت والا کام کہہ دو تو پھر اس کے پورا کرنے میں ان کی خود بھی مدد کرو۔"

(صحيح البخاري، حديث:30، و صحيح مسلم، حديث:1661)

قارئین کرام! غلاموں کو اس سے زیادہ عزت اور شرف کیا دیا جا سکتا ہے کہ آپ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا نکاح خاندان قریش کی ایک خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا۔ اب ذرا اس طرف آیئے کہ جہاں غلاموں کو ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے سے روکا، وہیں ان کو مارنے سے سختی سے منع فرمایا۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے غلام کو مارے گا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔"

(صحيح مسلم، حديث:1657)

امام مسلم یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ صحابیٔ رسول سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام معاویہ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے کسی غلام کو تھپڑ مار دیا اور گھر سے باہر چلا گیا۔ جب واپس آکر اس نے اپنے باپ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی تو سوید رضی اللہ عنہ نے غلام کو بھی بلا لیا اور بیٹے کو بھی اپنے پاس طلب کیا۔ غلام سے فرمایا: میرے اس بیٹے سے بدلہ لے لو۔ غلام نے کہا: میں معاف کرتا ہوں۔ سیدنا سوید کہنے لگے: ہمارا حال اللہ کے رسول کے زمانے میں یہ تھا کہ ہمارے کسی شخص نے اپنی ایک لونڈی کو مارا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم جاری فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دیا جائے۔ آپ سے عرض کی گئی: اللہ کے رسول! ان کے پاس اس کے سوا تو کوئی دوسری لونڈی یا غلام ہے ہی نہیں۔ ارشاد فرمایا: (فَلْيَسْتَخْدِمُوهَا) "وہ اس سے وقتی طور پر خدمت لیتے رہیں۔" (فَإِذَا اسْتَغْنَوْا عَنْهَا فَلْيُخَلُّوا سَبِيلَهَا) "جب ان کی ضرورت پوری ہو جائے تو فوری طور پر اس کی راہ چھوڑ دیں۔" یعنی اسے آزاد کر دیں۔

(صحيح مسلم، حديث: 1658)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انسانیت کو یہ شرف بخشا کہ غلاموں کو عزت واحترام دیا۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے قواعد وقوانین وضع فرمائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حقوق دیتے ہوئے یہاں تک فرماتے رہے:

لاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّئْ رَبَّكَ، أَسْقِ رَبَّكَ ......)

"تم میں سے کوئی اپنے غلام کو یوں نہ کہے: اپنے رب کو کھانا کھلاؤ، اپنے رب کو وضو کرواؤ، اپنے رب کو پانی پلاؤ بلکہ اس کے بجائے یوں کہے: (سَيِّدِي وَمَوْلاَيَ) "میرے سردار اور میرے دوست، اسی طرح کوئی شخص (عَبْدِي) 'میرا غلام' اور (أَمَتِي) 'میری لونڈی' نہ کہے بلکہ کہے: (فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلاَمِي) "میرے جوان، میری لڑکی یا میرے لڑکے۔"

(صحيح البخاري، حديث: 2552)

قارئین کرام! آیئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اسلام میں غلاموں کے حقوق کیا ہیں۔ ابو مسعود انصاری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ایک دن غلام نے کوئی غلط کام کر دیا۔ ان کو غصہ آگیا۔ کہتے ہیں: (كُنْتُ أَضْرِبُ غُلاَمًا لِي) "میں ایک دن اپنے غلام کو مار رہا تھا۔" میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی: (اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُودٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى هٰذَا الْغُلاَمِ) "ابو مسعود! جتنا تمھیں اس غلام پر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے کہیں زیادہ تم پر اختیار حاصل ہے۔" میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ بات فرمانے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

قارئین کرام! ابو مسعود کو اپنی غلطی کا فوری احساس ہو گیا کہ غلام کو مارنا ایک غلط کام ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ کر ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر عرض کیا:

(ہُوَ حُرٌّ لِوَجْہِ اللّٰہِ یَا رَسُولَ اللّٰہِ!)

"اللہ کے رسول! میں اپنے اس غلام کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْکَ النَّارُ)

"یاد رکھو! اگر تم یہ کام نہ کرتے تو آگ تمھیں جھلسا دیتی یا آگ تمہیں لگ جاتی۔"

(صحیح مسلم، حدیث: 1659)

17۔ وہ آ جائے اسے ہماری طرف سے امان ہے

امیہ بن خلف سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا آقا تھا۔ یہ انھیں مکہ مکرمہ میں بے حد تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔ بدر کے روز امیہ اور اس کا بیٹا علی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ اس کے بیٹے صفوان کو ان کے قتل کی خبر ملی تو اسے یقین نہ آیا۔ جب ان کے قتل کی تصدیق ہو گئی تو اس نے عمیر بن وہب کے ساتھ مل کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری زندگی اسلام کے خلاف سازشوں اور مخالفت میں گزار دی۔ جب مسلمان فتح مکہ مکرمہ کے لیے آئے تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے چند سر پھرے نوجوانوں میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کیا ہوا؟ ایک مختصر سا واقعہ پڑھنے کے بعد ہم آگے بڑھیں گے۔

بنو بکر سے تعلق رکھنے والا حماس بن قیس، مکہ مکرمہ کا ایک مشرک، کئی دنوں سے اپنے ہتھیار تیار کر رہا تھا تاکہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سپاہ کا مقابلہ کر سکے۔ فتح مکہ مکرمہ کے روز صبح سویرے اپنی بیوی سے کہنے لگا: تھوڑا سا انتظار کرو، میں آج تمھارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ایک کو غلام بنا کر لاؤں گا۔ حماس خندمہ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا جہاں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کی ناکام کوشش کی اور جلد ہی بری طرح شکست کھا کر بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر گزری تو حماس بڑی سراسیمگی اور حواس باختگی کی حالت میں گھر پہنچا۔ اپنی بیوی کو آواز دی: بی بی! جلدی سے دروازہ بند کر دو۔

بیوی نے طنزاً پوچھا: ارے وہ تمھارا غلام کہاں ہے؟ وہ بولا: نیک بخت! آج خندمہ میں جو کچھ ہوا ہے وہ تم نے دیکھا ہوتا تو تم مجھ سے ادنی سی ملامت کی بات بھی نہ کرتیں، جبکہ صفوان اور عکرمہ جیسے جری سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ سونتی ہوئی تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا جو کلائیاں اور کھوپڑیاں یوں کاٹ رہی تھیں کہ پیچھے سوائے شور و غوغا اور آہ و فغاں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

(الروض الأنف:4/163166، والرحیق المختوم، ص:409، 410، والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام:4/50)

قارئین کرام! اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ صفوان مکہ مکرمہ سے بھاگ گیا۔ یہ جنگی مجرم تھا۔ اس کے جرائم کی فہرست بڑی لمبی تھی، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی اور اعلیٰ اخلاق دیکھیے کہ آپ نے ان جنگی مجرموں کو بھی معاف کر دیا۔

قارئین کرام! جب ہم سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر عفو و درگزر سے کام لیا اور بڑے بڑے مجرموں کو بھی معاف کر دیا۔ صفوان کے ساتھ کیا ہوا؟ آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

صفوان مکہ مکرمہ سے بھاگا تو سیدھا جدہ کا رخ کیا۔ اس کی خواہش اور بھرپور کوشش تھی کہ اسے کوئی کشتی یا بحری جہاز مل جائے جو اسے یمن پہنچا دے۔ عمیر بن وہب اس کا چچازاد بھائی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر سن دو ہجری میں مدینہ طیبہ میں مسلمان ہو گیا تھا۔ صفوان کو جب عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں علم ہوا تو اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ساری زندگی عمیر سے بات نہیں کرے گا۔ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ عمیر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ صفوان اپنی حرکات کے باعث آگ سے کھیل رہا ہے۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صفوان کے لیے امان طلب کی، عرض کی: اللہ کے رسول!

صفوان اپنی قوم کا سردار ہے وہ ڈر کے مارے بھاگ گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: "صفوان آجائے اسے ہماری طرف سے امان ہے۔" عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس کے جرائم بہت زیادہ ہیں۔ ہو سکتا ہے اسے اعتبار نہ آئے، اس کے لیے کوئی نشانی عطا فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اور دوسری روایات کے مطابق اپنا عمامہ مبارک اتار کر عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت پہن رکھا تھا۔ عمیر رضی اللہ عنہ جدہ پہنچتے ہیں۔ صفوان کوئی عام آدمی نہ تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کے معروف سرداروں اور سرمایہ داروں میں سے تھا۔ صفوان کشتی کی تلاش میں تھا۔ عمیر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ صفوان انھیں دیکھتے ہی چلّایا: (أُغْرُبْ عَنِّي فَلَا تُكَلِّمْنِي) "مجھ سے دور ہو جاؤ اور میرے ساتھ بات نہ کرو۔"

عمیر رضی اللہ عنہ بڑی حکمت سے کام لیتے ہیں اور نہایت خوبصورت انداز اپناتے ہوئے کہتے ہیں: (أَيْ صَفْوَانُ ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) "ارے صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔" (اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي نَفْسِكَ أَنْ تُهْلِكَهَا) "اللہ کے لیے دیکھو! کیوں اپنی جان کے درپے ہو، اسے کیوں ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو؟" یہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ مبارک۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امان ہے۔ میں ان سے تمھارے لیے معافی نامہ لے کر آیا ہوں۔ صفوان نے غصے کا اظہار کیا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ساری زندگی عمیر سے بات نہیں کرے گا۔

ادھر عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کی یہ حکمت کہ وہ نہایت محبت ہمدردی سے صفوان سے دوبارہ کہہ رہے ہیں: (أَيْ صَفْوَانُ ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي) "صفوان! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔" (هُوَ أَفْضَلُ النَّاسِ) "وہ دنیا کی افضل ترین شخصیت ہیں۔" (وَأَبَرُّ النَّاسِ) "لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرنے والے۔" (وَأَحْلَمُ النَّاسِ) "سب سے زیادہ حلیم اور حوصلہ مند شخصیت۔" (وَخَيْرُ النَّاسِ) "اور لوگوں میں بہترین

شخصیت۔" (اِبْنُ عَمِّكَ) "سنو! وہ تمھارے چچازاد بھائی ہیں۔" (عِزُّهُ عِزُّكَ) "ان کی عزت اصل میں تمھاری ہی عزت ہے۔" (وَشَرَفُهُ شَرَفُكَ) "ان کی سربلندی دراصل تمھاری ہی سربلندی ہے۔" (وَمُلْكُهُ مُلْكُكَ) "ان کی بادشاہی دراصل تمھاری ہی بادشاہی ہوگی۔"

صفوان امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ساری صفات سن رہا تھا، برف پگھل رہی تھی، اس کی نخوت ختم ہو رہی تھی، ذہن تبدیل ہو رہا تھا مگر دل میں کچھ خدشات تھے جنہیں وہ اپنی زبان پر لے آیا، کہنے لگا: إِنِّي أَخَافُ عَلَىٰ نَفْسِي "درحقیقت مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔"

قارئین کرام! صفوان کو اپنے جرائم کی شدت کا اندازہ تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ ہوسکتا ہے مسلمان میرے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کریں۔ ممکن ہے وہ مجھے بہانے سے مکہ مکرمہ لے جائیں اور وہاں لے جاکر قتل کردیں، اس لیے اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ اسے اپنی جان کا ڈر ہے، مگر عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے اسے تسلی دینے کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کیا ان سے بھی ہمارے پیارے نبی کے اعلیٰ اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ بولے: (هُوَ أَحْلَمُ مِنْ ذَاكَ وَأَكْرَمُ) "وہ تمھارے تصورات اور سوچوں سے کہیں زیادہ بردبار، حوصلہ مند اور کرم و بخشش والے ہیں۔" صفوان نے عمیر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو اسے تسلی ہوگئی اور وہ ان کے ہمراہ مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ مکہ مکرمہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیت اللہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ صفوان اپنے گھوڑے پر سوار پہنچا اور سواری پر بیٹھے بیٹھے پوچھا: محمد! یہ عمیر بن وہب میرے پاس آیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟ صفوان کی کنیت ابووہب تھی، اور عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی کو عزت دینا مقصود ہو تو اس کو کنیت سے بلاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں ابووہب! عمیر سچ کہتا ہے۔" صفوان کہنے لگا: پھر مجھے دو ماہ کی مہلت دیں تاکہ میں سوچ بچار کرلوں۔ رحیم و شفیق، سراپا عفو و کرم، اعلیٰ اخلاق والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: (انْزِلْ يَا أَبَا وَهْبٍ) "ابووہب! تم گھوڑے سے نیچے تو اترو۔" صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہرگز نہیں اتروں گا جب تک آپ میرے سامنے وضاحت نہ کریں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (انْزِلْ وَلَكَ تَسْيِيرُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ) "تم نیچے تو اترو! تم دو ماہ کی بات کرتے ہو ہم تمھیں چار ماہ کی مہلت دیتے ہیں۔" تم اسلام کے بارے میں خوب غور و فکر کرلو۔ صفوان کو اب یقین آجاتا ہے کہ اسے امان کا پروانہ مل چکا ہے۔ وہ گھوڑے سے نیچے اترتا ہے اور اپنے گھر کی راہ لیتا ہے۔ یہ شخص مکہ مکرمہ کا سب سے بڑا اسلحہ فروش تھا۔ اس کے گھر میں تلواریں، زرہیں، ڈھالیں اور دیگر سامان حرب موجود رہتا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ مکرمہ کے فوراً بعد حنین کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ مکرمہ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اب ایک نئے دشمن سے واسطہ تھا، آپ کو اسلحہ کی شدید ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا کہ صفوان کے پاس اسلحہ موجود ہے۔ ذرا غور کیجیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح تھے۔ آپ چاہتے تو اپنے چند سالاروں کو حکم دیتے، وہ صفوان کے گھر سے زبردستی اسلحہ لے آتے مگر یہ بھی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ آپ نے صفوان کو پیغام بھیجا کہ ہمیں اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اسلحہ دے دو۔ صفوان بڑا ہوشیار آدمی تھا، کہنے لگا: کیا آپ میرے اسلحہ پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں یا عاریتاً لینا چاہتے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت بھرا جواب دیا۔ حدیث کے الفاظ پر ذرا غور فرمائیں: (بَلْ طَوْعًا عَارِيَةً مَضْمُونَةً) "تمھاری مرضی اور خوشی سے، عاریتاً، واپسی کی ضمانت کے ساتھ لینا چاہتا ہوں۔" اب تمھاری مرضی ہے دو یا نہ دو۔ صفوان نے یہ الفاظ سننے کے بعد مطلوبہ مقدار میں اسلحہ

مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ مسلمان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف رواں دواں تھے۔ کچھ مؤلفۃ القلوب بھی ہمراہ تھے جن میں صفوان اور اس کا ماں جایا بھائی کلدہ بن حنبل بھی شامل تھے۔ لشکر میدان حنین میں پہنچ گیا۔ آج مسلمانوں کا لشکر خاصی بھاری تعداد میں تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ شروع میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تھوڑے سے صحابہ ثابت قدم رہے۔ صحابہ کرام میں بھگدڑ مچ گئی۔ ادھر دشمن نے کمین گاہوں سے اچانک تیروں کی بارش شروع کر دی۔ کلدہ بن حنبل اپنے (ماں کی طرف سے) بھائی صفوان کے پاس آیا، شکست پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: صفوان دیکھو! آخر یہ طلسم ٹوٹ ہی گیا۔ صفوان نے اپنے بھائی کی طرف غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور ٹوکتے ہوئے کہنے لگا: اپنی زبان کو لگام دو۔

اللہ کی قسم! قریش کا ایک شخص میرا سردار اور آقا بنے، یہ میرے لیے بنو ہوازن کے عوف بن مالک کے غلبے سے کہیں زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات معروف ہے کہ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔ اب میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی اور اس کے ساتھ ہی بے حد وحساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ صفوان کہتا ہے: (وَاللّٰہِ! لَقَدْ أَعْطَانِي رَسُولُ اللّٰہِ مَا أَعْطَانِي ، وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَيَّ ، فَمَا بَرِحَ يُعْطِينِي حَتّٰى إِنَّهُ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ) "اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید بغض رکھتا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت سے مجھے بار بار مال عطا کیا۔ وہ مسلسل مجھے مال دیتے رہے حتی کہ وہ میری نگاہوں میں کائنات کی محبوب ترین شخصیت بن گئے۔"

صفوان آپ کے حسن سلوک، حلم، حوصلہ اور فیاضی سے اس قدر متأثر ہوا کہ چار ماہ والی مہلت اور سوچ بچار کا وقت سکڑ کر تین ہفتے رہ گیا اور حنین کے فوراً بعد ختم ہو گیا۔ اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو لوگوں نے اس سے کہا:

(مَنْ لَمْ يُهَاجِرْ هَلَكَ وَلَا إِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهُ)

"جس نے ہجرت کا شرف نہ پایا وہ برباد ہو گیا، بلکہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کا تو اسلام ہی قبول نہیں۔" یہ بات اس کے علم میں آئی تو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا۔ آپ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا:

(لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ) "فتح مکہ مکرمہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت ختم ہو گئی۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے معمولی سے معمولی کاموں میں بھی ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ پوچھا: صفوان کس کے مہمان بنے ہو؟ عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کا۔ فرمایا:

(نَزَلْتَ عَلٰى أَشَدِّ قُرَيْشٍ لِقُرَيْشٍ حُبًّا)

"صفوان! تم ایک ایسی قریشی شخصیت کے مہمان بنے ہو جو قریشوں سے شدید محبت رکھتا ہے۔" پھر فرمایا: "ابووہب! مکہ مکرمہ واپس چلے جاؤ، اپنے ڈیرے پر ہی قیام کرو اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہو۔" چنانچہ وہ وفات تک مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے۔ صفوان مکہ مکرمہ کے ممتاز ترین سرداروں میں سے تھے۔ نہایت فصیح اللسان تھے۔ ان کے خاندان کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ لوگوں کو کھانا کھلانے والے اور خوب مہمان نوازی کرنے والے شرفاء تھے۔ یہ سلسلہ نسلوں سے چلا آرہا تھا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ مہمان نواز کون ہے؟ جواب ملا: عبداللہ بن صفوان۔ کہنے لگے: (بَخٍ بَخٍ تِلْكَ نَارٌلَا تَطْفَأُ) "اس گھرانے کے مہمان خانے کی آگ کبھی بجھتی ہی نہیں۔" صفوان بن امیہ بیالیس ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں وفات پا گئے اور ان کا مالدار، سخی اور مہمان نواز بیٹا عبداللہ بن صفوان 73 ہجری میں مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔

(الاستيعاب، ص:366،365، والرحيق المختوم، ص:413426، والسيرة النبوية لابن ہشام:4/60، و صحيح مسلم:2313، و جامع الترمذي:666، و أسد الغابة:3/25,24)

18۔ خالد! اب یہ مال واپس نہ کرنا

اخلاق نبوی کے کتنے ہی پہلو ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو امراء اور قائدین کا مقام ومرتبہ اور ان کا احترام بھی ہے۔ کوئی بھی نظام و قانون اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک اس کے نافذ کرنے والے کو احترام نہ دیا جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امراء کے احترام کا حکم دیا۔ ان کے فیصلوں کو عزت اور احترام بخشا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اعلیٰ اخلاق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی بڑی عمدہ تربیت کی تھی۔ آیئے! اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں: جنگ موتہ رومیوں کے ساتھ آٹھ ہجری میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں لڑی گئی۔ ان کی شہادت کے بعد جھنڈا سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو حسب فرمان نبوی قیادت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی۔ جب وہ بھی شہید ہو گئے تو ایک صحابی ثابت بن اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ علم کا سرنگوں ہونا لشکر کی شکست سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے علم کو تھاما اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اپنا قائد چن لیں۔ انھیں دیگر ساتھیوں نے امارت کی پیش کش کی مگر انھوں نے معذرت کرلی اور لوگوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کر لیا۔ اس جنگ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ وہ اس واقعے کے راوی ہیں کہتے ہیں: ہم رومی لشکروں سے ٹکرائے۔ ایک رومی سردار سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین اور اسلحہ پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو بے تحاشا نقصان پہنچانے لگا۔ مسلمانوں کو جو کمک ملی اس میں یمن کے مشہور قبیلے حمیر کا ایک بہادر بھی شامل تھا۔ اس نے جب اس رومی کو دیکھا کہ وہ مسلمانوں کو مسلسل نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب رومی اس کے قریب سے گزرا تو اس نے اچانک اس کے گھوڑے پر حملہ کر دیا۔ گھوڑا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، سوار سمیت گر گیا۔

رومی سردار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا تو حمیری نے اس کا پیچھا کیا اور اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ رومی کا گھوڑا، اس کی زین، اس کا اسلحہ اب حمیری کے قبضے میں آ گیا۔ یہ نہایت قیمتی سامان تھا جس میں سونا بھی تھا۔ جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس حمیری کو پیغام بھیجا کہ اس سامان میں سے کچھ سامان انھیں بھجوا دیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد تھا کہ ان کے نزدیک یہ مال غنیمت بہت زیادہ تھا، چنانچہ اس حمیری نے کچھ مال غنیمت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا۔ اِدھر سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بات درست نہ تھی۔ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ خالد! آپ کو علم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سامان سلب قاتل کو دلایا ہے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی بات درست ہے مگر میرے نزدیک یہ سامان بہت زیادہ ہے، اس لیے میں نے حمیری سے کچھ منگوا لیا ہے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ یہ پورا سامان اس حمیری کو دے دیں ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مال کے حوالے سے ضرور سوال اٹھاؤں گا۔ اس کے باوجود حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ لشکر واپس مدینہ طیبہ آ گیا۔ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں۔ دوران ملاقات انھوں نے اس حمیری کا سارا واقعہ بیان کر دیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا مؤقف بھی بیان کر دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

(يَا خَالِدُ ! مَاحَمَلَكَ عَلٰى مَاصَنَعْتَ ؟)

"خالد! تم نے ایسا کیوں کیا؟" سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! میرے نزدیک وہ سازوسامان ایک آدمی کے لیے بہت زیادہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: (رُدَّ عَلَيْهِ الَّذِي أَخَذْتَ) "حمیری سے جو کچھ لیا ہے، اسے واپس کر دو۔" عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ ہو گیا تو بشری تقاضوں کے مطابق انھوں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: ہاں خالد، مزہ چکھ لو۔ کیا میں نے اپنی بات پوری نہیں کر دکھائی؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ حمیری کا سامان واپس کر دو؟ تم نے نہ دیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر کے سامان واپس کرا دیا ہے۔

قارئین کرام! یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی کہ عوف رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور اہانت کی کوشش کی ہے۔ اس حد تک تو بات درست تھی کہ اس حمیری کو سامان واپس ملنا چاہیے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداخلت سے واپس مل گیا مگر اگلی بات کہ خالد رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ تم نے مزہ چکھ لیا، یہ شخصی مسئلہ بن گیا۔ اس طرح عوف رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین اور ان کی تحقیر کا اظہار کر رہے تھے۔ اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ردعمل کیا ہے؟ تربیت اور تزکیۂ نفس اسی کا نام ہے اور یہی اعلیٰ اخلاق ہے کہ آپ کو جب ساری بات معلوم ہوئی تو سخت ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا: (يَا خَالِدُ لاَ تَرُدَّهُ عَلَيْهِ) "خالد! اب اس کا سامان واپس نہ کرنا۔" مزید ارشاد فرمایا: (هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُولِي أُمَرَائِي) "کیا تم میرے مقرر کردہ امیروں کو میری وجہ سے معاف نہیں کر سکتے؟" (لَكُمْ صَفْوَةُ أَمْرِهِمْ وَعَلَيْهِمْ كَدَرُهُ) "ان کے معاملے کا صاف صاف تمھارے لیے اور معاملے کا گدلا پن ان کے اپنے ذمے ہے۔"

(صحيح مسلم، حديث:1753، ومسند أحمد:6/26، والسيرة النبوية للصلابي:2/496)

قارئین کرام! امراء و قائدین سے بھی بہ تقاضائے بشریت غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ ایسے میں کمی کوتاہی واقع ہونے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امراء کی حمایت و تائید میں یہ مؤقف نہایت اعلیٰ ہے۔

ان کی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیے مگر تنقیص و اہانت کے بغیر۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب اس حمیری مجاہد کو مکمل سلب لینے سے روکا تو انھوں نے اس کی بے عزتی ہرگز نہیں کی بلکہ اجتہاد کے تحت مصلحت عامہ کو سامنے رکھا کہ یہ مال ایک آدمی کے لیے بہت زیادہ ہے۔

اگر اسے عام مال غنیمت میں شامل کر لیا جائے تو متعدد مجاہدین کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

19۔ غزوہ اُحد سے بھی زیادہ مشکل دن

کائنات کے امام سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں اپنے گھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ غزوہ احد گزر چکا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی دعوت دیتے ہوئے، حق کا دفاع کرتے اور دشمنان اسلام کے ظلم و ستم اور جبر و قہر کا مقابلہ کرتے ہوئے گزری ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک انوکھا سوال کرتی ہیں۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ پر احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت اور سنگین دن گزرا ہے؟

سوال بڑا اہم اور معنی خیز تھا۔ احد کے میدان میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا تھا۔ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا غم کبھی بھلا دینے والا نہیں تھا، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت مبارک شہید ہوئے، آپ شدید زخمی ہو کر گر گئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احد سے بھی زیادہ سخت دن گزر چکا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہاں عائشہ! تمہاری (عرب) قوم کے ہاتھوں مجھے جن مصائب کا شکار ہونا پڑا، ان میں سب سے مشکل اور سنگین دن وہ تھا جب میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے طائف گیا تھا۔''

(صحيح البخاري، حديث:3231)

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف میں آپ کی مبارک زندگی کا ایک خوبصورت پہلو نظر آتا ہے۔ اس واقعے میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کا پتا چلتا ہے۔ اس واقعے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے دشمنوں، بدترین مخالفوں اور اپنے اوپر پتھر برسانے والوں کے لیے بھی کتنے مہربان اور مشفق تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا، وہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب چلیے تھوڑی دیر کے لیے ہم طائف چلتے ہیں جو مکہ مکرمہ سے کم و بیش 100 کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔

مکہ مکرمہ میں تبلیغ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دس سال ہو چکے تھے۔ شوال کا مہینہ تھا اور عیسوی حساب سے مئی کے آخری یا جون 619ء کے ابتدائی ایام تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر طائف روانہ ہوئے۔ طائف میں مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سرداروں کی زمینداریاں تھیں۔ ان کے اپنے باغات تھے۔ یہ علاقہ اس دور میں بھی اپنے باغات اور رنگا

رنگ پھلوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہاں کا موسم آج کل بھی گرمیوں میں بہت خوبصورت ہوتا ہے۔

طائف کے گردونواح میں سب سے بڑا قبیلہ بنو ثقیف تھا۔ قریش کی ان کے ساتھ رشتہ داری بھی تھی۔ قریش کے ایک بڑے قبیلے بنو جمح کی ایک عورت کی شادی بنو ثقیف کے ایک بڑے سردار سے ہوئی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سفر پیدل ہی کر رہے تھے، اور اس کے لیے "السیل الکبیر" کا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ راستہ آج بھی طائف سے مکہ مکرمہ یا مکہ مکرمہ سے طائف جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ طائف کے راستے میں بعض قبائل رہائش پذیر تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر جس قبیلے سے بھی ہوتا، آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے، مگر ان کی بد قسمتی کہ کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔

بنو ثقیف کے تین بااثر سردار عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ یہ بنو ثقیف کے رئیس اور سربراہ تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس روز قیام کیا۔ اس دوران آپ باری باری بنو ثقیف کے سرداروں کے پاس تشریف لے جاتے اور انھیں عقیدہ توحید کی دعوت دیتے رہے۔ ان کے جوابات ایک دوسرے سے بڑھ کر کرخت اور بیہودہ تھے۔ ذرا عبد یالیل کے الفاظ پر غور کریں: اگر اللہ نے واقعی تمھیں رسول بنایا ہے تو میں کعبے کا غلاف پھاڑ دوں گا۔ (یعنی اگر اللہ نے تمہارے جیسے کمزور شخص کو نبی بنایا ہے تو میں اس کے گھر کا کوئی احترام نہیں کروں گا)

مسعود بن عمرو ثقفی نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا: کیا اللہ کو تمھارے علاوہ اور کوئی نہیں ملا جسے نبوت عطا کی جاتی۔ حبیب نے کہا: میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہو تو تمھاری بات رد کرنا اور رسول سے بحث کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ میں ایک جھوٹے سے بات کروں۔

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے، اس قسم کے جواب سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر کیا گزری ہو گی، مگر کائنات کی سب سے عظیم شخصیت اس قسم کے حوصلہ شکن الفاظ سن کر بھی اپنے مشن سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "ٹھیک ہے کہ تم نے میری بات نہیں مانی مگر یہ گفتگو اپنے تک ہی محدود رکھنا، اس کا چرچا نہ کرنا۔" آپ کا خیال تھا کہ یہ خبر قریش تک نہ پہنچے تاکہ وہ اپنی سختی میں مزید اضافہ نہ کر دیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ مختصر سے کلمات کہہ کر وہاں سے اٹھ آئے۔

قارئین کرام! مگر وہ شریف لوگ نہ تھے، انھوں نے نہایت گھٹیا طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ نہ صرف علاقے میں منادی کروائی بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کریں اور ان کا راستہ روکیں۔

طائف کے در و دیوار یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ ادھر طائف کے آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے آپ کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ وہ راستے کے دونوں جانب کھڑے ہو گئے، بات گالیوں اور بد زبانیوں سے آگے بڑھ کر پتھر چلانے پر آ گئی۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارنے لگے۔ سنگ باری تیز کر دی، آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم لگ گئے، ان سے خون بہنے لگا۔ نعلین مبارک خون میں تر بتر ہو گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم کو ڈھال بنا کر آپ کو پتھروں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی محفوظ نہیں رہے، ان کا سر بھی پھٹ گیا۔ سیرت نگاروں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبادی سے نکلے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کو اٹھا کر قریب ہی پانی کے ایک چشمے پر لے گئے۔ زخموں کو پانی سے دھونے کی کوشش کی۔ نعلین مبارک اتارنا چاہے تو وہ خون سے اس طرح جم چکے تھے کہ اتارنا مشکل تھا۔ بنو امیہ کے سردار عتبہ بن ربیعہ کا باغ قریب ہی تھا۔ یہ باغ طائف سے کم و بیش پانچ کلو میٹر دور ہے۔ راقم الحروف نے اس باغ کو دیکھا ہے۔ جب میں نے دیکھا تو یہ ان دنوں بڑا سرسبز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ میں پناہ لی۔ اس وقت اوباش اور آوارہ گرد بھی واپس ہو گئے تھے۔ عتبہ اپنے بھائی شیبہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے آیا ہوا تھا۔ وہ بھی یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ یہ کافر تھے مگر مکارم اخلاق تو ان کا وصف تھا۔ یوں بھی رشتہ داری تھی۔ انھیں غیرت آئی کہ ان کے رشتہ دار کے ساتھ اہل طائف نے بد سلوکی کی ہے۔ اپنے غلام عداس کو بلایا۔ عداس نینویٰ کا رہنے والا عیسائی تھا۔ اسے انگوروں کے چند خوشے دے کر کہا: اسے ان مہمانوں کے پاس لے جاؤ۔ عداس کی خوش قسمتی کے کیا کہنے، اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کی سعادت مل رہی تھی۔ عداس انگور لے کر آیا تو اس نے دیکھا اور سنا کہ اللہ کے رسول انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھا کر فرما رہے ہیں: (بِسْمِ اللّٰہِ) اور پھر کھانا شروع کر دیا۔ عداس معزز مہمان کی طرف تعجب بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ (بِسْمِ اللّٰہِ) کا کلمہ یہاں کے لوگ تو نہیں بولتے۔ وہ تو اللہ کے نام سے کھانے کا آغاز نہیں کرتے۔ عداس کہنے لگا: یہ جملہ تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے۔ ارشاد فرمایا: "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟"

عداس نے کہا: میں نینوی کا رہنے والا ہوں اور عیسائی ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ رہے ہیں: "اچھا تو تم مرد صالح یونس بن متیٰ کے شہر کے رہنے والے ہو۔"

عداس کو بڑا تعجب ہوا، اس نے سوال کیا: آپ یونس بن متیٰ کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "وہ میرے بھائی تھے۔ میرے اور ان کے درمیان نبوت کا رشتہ ہے۔ وہ بھی اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔" عداس نے یہ سنا تو اللہ کے رسول پر جھک پڑا اور آپ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ دور بیٹھے ہوئے عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ عداس کی قسمت بہت اچھی تھی، اس کے نصیب جاگ اٹھے، وہ بے اختیار کہہ رہا تھا: (أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُولُ اللّٰہِ) "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔"

قارئین کرام! طائف والوں کا سلوک آپ کی توقع کے کہیں خلاف تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں آپ نے اپنے رب سے رجوع کیا اور اسی سے مدد مانگی۔ اپنی امت کو سبق دیا کہ اگر کوئی مشکل وقت آئے تو صرف اور صرف اپنے رب سے رجوع کرنا ہے اور اسی سے مدد مانگنی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باغ سے نکلے تو غم والم کی شدت سے طبیعت نڈھال اور دل پاش پاش تھا۔ قرن المنازل کا مقام کوئی زیادہ دور نہیں وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین تشریف لائے۔ آج ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی ہے۔ وہ آپ سے گزارش کرنے آیا تھا کہ آپ حکم دیں تو وہ اہل طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالے۔

قارئین کرام! مکارم اخلاق اس کا نام ہے، اس کو اعلیٰ اخلاق کہتے ہیں کہ آپ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جبریل امین عرض کر رہے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھی بھیجا ہے تاکہ آپ ان دشمنوں کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دیتا ہے اور سلام کرنے کے بعد عرض کرتا ہے: " اے محمد! بات یہی ہے کہ اب آپ جو چاہیں گے ہم وہی کریں گے۔ اگر چاہیں کہ ہم ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل کر پیس دیں تو ایسا ہی ہو گا۔"

قارئین کرام! مگر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجیے کہ آپ اہل طائف کی ان زیادتیوں کے باوجود ارشاد فرمار ہے ہیں:" نہیں! بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔"

(صحيح البخاري، حديث: 3231، و صحيح مسلم، حديث: 1795، والرحيق المختوم: 1/100، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 1/249)

قارئین کرام! ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمنا پوری ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید بر آتی ہے اور اہلِ طائف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

20۔ قیدی کو روٹی کھلا کر خود کھجوروں پر گزارا کر لیا

زمانہ قدیم سے جنگیں ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ جنگوں میں ہمیشہ سے لوگ قیدی بنتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ عصر حاضر کے حکمرانوں نے جنیوا میں بیٹھ کر ایک کنونشن میں جنگی قوانین تیار کیے اور قیدیوں کے ساتھ سلوک کی حدود مقرر کیں اور ان سفارشات کو پوری دنیا پر لاگو کرنے کی ہدایت کی، مگر میں اپنے قارئین کرام کو رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوبصورت کردار کی ایک جھلک دکھانے لگا ہوں۔ جو کام ان لوگوں نے آج کرنے کی کوشش کی اس سے بدرجہا بہتر قوانین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے ڈیڑھ ہزار دنیا کو عطا فرمائے۔ آیئے لڑائی کے میدان میں قیدی بننے والوں سے حسن سلوک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا ایک خوبصورت پہلو دیکھتے ہیں۔ اس

کے لیے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے دو ہجری رمضان المبارک کے مہینے میں بدر کے میدان میں چلنا ہو گا۔ یہاں ستر بڑے بڑے مشرک سردار قیدی بن چکے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے ہیں۔

ان قیدیوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہترین سلوک کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں:

(أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صلي الله عليه وسلم أَصْحَابَهُ يَوْمَ بَدْرٍ أَنْ يُكْرِمُوا الْأُسَارَى)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے روز اپنے صحابہ کو یہ حکم جاری فرمایا کہ قیدیوں کے ساتھ احترام کا سلوک کیا جائے۔''

یعنی انہیں اچھا کھانا کھلایا جائے اور ان کے ساتھ کوئی سختی نہ کی جائے۔'' چنانچہ صحابہ کرام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق انھیں بہترین کھانا کھلاتے ہیں۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی ابو عزیز ایک انصاری صحابی کی قید میں تھا، یہ کوئی عام آدمی نہ تھا، بدر کے میدان میں نضر بن حارث کے بعد جھنڈا اسی کے پاس تھا۔ یہ اپنی قوم کا بہترین سالار تھا۔ مسلمانوں سے شدید نفرت اور عداوت رکھنے والا یہ شخص ایک نہایت دولت مند ماں کا بیٹا تھا۔

جس انصاری صحابی نے اسے گرفتار کیا، ان کا نام ابو یسر رضی اللہ عنہ تھا۔ ابو عزیز کے بھائی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اس کے پاس سے گزرے تو ابویسرؓ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

(شُدَّ يَدَيْكَ بِهِ، فَإِنَّ أُمَّهُ ذَاتُ مَتَاعٍ لَعَلَّهَا تُفْدِيهِ مِنْكَ)

''اسے اچھی طرح قابو میں کرلو، اس کی ماں بہت مالدار عورت ہے، وہ تمھیں اس کی رہائی کے عوض بھاری فدیہ دے سکتی ہے۔''

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے (اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ) کا فریضہ سر انجام دیا۔ ابو عزیز کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا: بھائی! تم میرے بارے میں یہ وصیت کر رہے ہو کہ اسے اچھی طرح قابو کرلینا۔'' اس کا خیال تھا کہ میرا بھائی میری سفارش کرے گا، مگر سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ سنہری الفاظ سے لکھنے کے قابل ہے: (إِنَّهُ أَخِي دُونَكَ) ''تم میرے بھائی نہیں بلکہ در اصل میرا بھائی تو یہ انصاری صحابی ہے۔''

دل چسپ بات یہ ہے کہ چند ہی روز بعد ابو عزیز کی والدہ نے مکہ مکرمہ والوں سے پوچھا کہ قریشیوں کی طرف سے سب سے زیادہ فدیہ کتنا ادا کیا گیا ہے تو بتایا گیا کہ اب تک ادا کیے جانے والے فدیہ میں چار ہزار درہم سب سے بڑا فدیہ ہے، چنانچہ اس نے چار ہزار درہم مدینہ طیبہ بھجوا کر اپنے بیٹے کو رہا کروالیا۔ جس انصاری صحابی نے اسے گرفتار کیا تھا وہ تنگدست ہونے کے باوجود اپنے قیدی کو روٹی کھلاتے۔

اس زمانے میں مدینہ طیبہ میں روٹی خاصی مہنگی اور گراں قدر چیز تھی مگر کھجوریں عام تھیں۔ ابو عزیز کا بیان ہے کہ جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گزارہ لیتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی ندامت ہوتی، میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا مگر وہ روٹی مجھی کو واپس کر دیتے۔

قارئین کرام! یہ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلی اخلاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیدیوں سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے اس حکم پر اتنے شاندار طریقے سے عمل کیا کہ خود تو کھجوریں کھا کر گزارا کر لیتے مگر قیدی کو اچھی اور اعلیٰ خوراک دیتے۔

(معرفة الصحابة، محقق:20/365، و تهذيب سيرة ابن هشام:1/203)

مقدس اسمائے گرامی

(۱۵۰)عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللّٰہ عنہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يَقُولُ:((إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا الْمَاحِي يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ))۔قَالَ: قُلْتُ لِلزُّهْرِيِّ: مَا الْعَاقِبُ؟ قَالَ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ۔صحیح[2]

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے (بہت سے) نام ہیں۔ میں احمد ہوں، محمد ہوں، مٹانے والا ہوں، میرے ساتھ اللہ کفر کو مٹائے گا اور اکٹھا کرنے والا ہوں، لوگ (قیامت کے دن) میرے قدموں پر اکٹھے ہوں گے اور میں العاقب ہوں۔

(معمر نے) کہا: میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا: العاقب کسے کہتے ہیں تو انھوں نے کہا: جس کے بعد کوئی نبی (پیدا) نہ ہو۔

(۱۵۱)عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: لَقِيتُ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ: فِي بَعْضِ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ:((أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَأَنَا الْمُقَفَّى، وَأَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ))۔[1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے کے کسی راستے میں ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں رحمت اور توبہ والا نبی ہوں۔ اور میں مقفیٰ (آخری نبی اور آخری رسول) ہوں اور میں اکٹھا کرنے والا اور (جہادی) جنگوں والا نبی ہوں۔

(۱۵۲)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنه نَادٰی رَجُلٌ بِالْبَقِيْعِ : يَا أَبَا الْقَاسِمِ ! فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیه وسلم ، فَقَالَ :يَارَسُوْلَ اللّٰہِ! لَمْ أَعْنِكَ إِنَّمَا عَنَيْتُ فُلاَنًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیه وسلم :((سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ))۔صحیح[2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی نے بقیع (مدینے کے ایک مقام) سے آواز لگائی: اے ابوالقاسم! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ اس کی طرف پھیرا تو وہ بولا: یارسول اللہ! میں نے آپ کو آواز نہیں دی بلکہ فلاں شخص کو آواز دی ہے تو آپ نے فرمایا: میرا نام رکھو، لیکن (میری زندگی میں) میری کنیت نہ رکھو۔

(۱۵۳)عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیه وسلم :((سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ فَإِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ))۔صحیح[3]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا نام رکھو اور (میری زندگی میں) میری کنیت نہ رکھو، بے شک مجھے قاسم (تقسیم کرنے والا) بنایا گیا ہے میں تمھارے درمیان (علم و حکمت) تقسیم کر رہا ہوں۔

[1]صحیح أخرجه الترمذي فی الشمائل:۳٦٦ وللحديث شواهد عند الترمذي(فی الشمائل)وغیرہ۔[السنة:۳٦۳۱] [2] صحيح مسلم ، الآداب باب النهي عن التكني بأبي القاسم :۲۱۳۱ من حديث مروان بن معاوية به۔[السنة :۳۳٦۴] [3] متفق عليه ، صحيح البخاري: ۳۱۱۴، ۳۱۱۵، ۳۵۳۸ و مسلم : ۲۱۳۳ من حديث الأعمش به۔[السنة ۳۳٦۵]

☆☆☆

باب2: جسمانی واخلاقی اوصافِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

اوصافِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۵۴)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنه أَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ :كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیه وسلم لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْآدَمِ ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ ۔بَعَثَهُ اللّٰہُ عَلٰی رَأْسِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ ، وَتَوَفَّاهُ اللّٰہُ عَلٰی رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً،وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ۔صحیح[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ بہت چھوٹے قد کے تھے نہ تو بے انتہا سفید تھے اور نہ گندم گوں تھے (بلکہ سرخ وسفید تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ تو شدید گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے۔ اللہ نے آپ کو

چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا۔ پھر آپ مکہ میں دس سال (اور تین سال رہے) اور مدینہ میں دس سال رہے۔ اللہ نے آپ کو ساٹھ سال (اور تین سال) کی عمر میں وفات دی۔ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس (کے قریب) بال بھی سفید نہیں تھے۔

(۱۵۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنہ يَصِفُ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ ـ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ ـ وَزَادَ قَالَ رَبِيعَةُ: فَرَأَيْتُ شَعْرًا مِنْ شَعْرِهِ فَإِذَا هُوَ أَحْمَرُ فَسَأَلْتُ، فَقِيلَ: احْمَرَّ مِنَ الطِّيبِ ۔[2]

[1] متفق علیه، أخرجه مالک فی الموطأ (۲/۹۱۹ روایة أبي مصعب ۱۹۲۵) والبخاري، المناقب باب صفة النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: ۳۵۴۸، مسلم: ۲۳۴۷ من حدیث مالک به۔ [2] صحیح البخاري أیضًا: ۳۵۴۶۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مروی ہے کہ آپ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ چھوٹے (بلکہ درمیانے قد کے تھے) آپ کا رنگ گلاب کے پھول جیسا سرخ وسفید تھا۔ پھر پہلی حدیث (۱۵۴) جیسی حدیث بیان کی اور (راوی نے) کہا: ربیعہ (انس کے شاگرد اور تابعی) نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے ایک بال دیکھا تھا وہ سرخ تھا، تو (مجھ سے) کہا گیا: یہ خوشبو (اور مہندی) لگانے کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا۔

(۱۵۶) عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، ضَخْمَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ ـ مُشْرَبٌ حُمْرَةً، ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ، طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّى تَكَفِّيًا، كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلي الله عليه وسلم ۔[1]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد کے۔ آپ کا سر اور داڑھی بڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں سخت اور موٹی تھیں۔ (آپ کا رنگ) سرخی مائل (اور سفید) تھا آپ کی ہڈیوں کے جوڑ بڑے تھے۔ سینے کے نیچے لمبے بال تھے جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھک کر (تیز) چلتے گویا کہ کوئی اوپر سے نیچے اتر رہا ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں دیکھا نہ پہلے اور نہ بعد میں۔

(۱۵۷) عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَالْقَدَمَيْنِ لَمْ أَرَ بَعْدَهُ وَلَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَكَانَ بَسْطَ الْكَفَّيْنِ ـ صحیح[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سر اور بڑے قدموں والے تھے میں نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا نہ پہلے اور نہ بعد میں۔ آپ کی ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔

(۱۵۸)عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللّٰه عنه كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم ضَلِيْعَ الْفَمِ ، أَشْكَلَ الْعَيْنَيْنِ ، مَنْهُوْشَ الْعَقِبِ ـ قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِسِمَاكٍ :مَاضَلِيْعُ الْفَمِ ؟ قَالَ :عَظِيْمُ الْفَمِ ، قَالَتْ :مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ ؟ قَالَ :طَوِيْلُ شَقِّ الْعَيْنِ ، قُلْتُ :مَامَنْهُوْشُ الْعَقِبِ ؟ قَالَ :قَلِيْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ ـ صحیح[3]

[1] حسن: أخرجه الترمذي: ٣٦٣٧ والشمائل: ٥ من حديث المسعودي به وقال: ''هٰذا حديث حسن صحيح، وللحديث شواهد كثيرة۔ [السنة: ٣٦٤١] [2] صحيح البخاري، اللباس باب الجعد: ٥٩٠٧۔ [السنة: ٣٦٣٦] [3] صحيح. أخرجه الترمذي: ٣٦٤٧ والشمائل: ٩ ومسلم، الفضائل باب صفة فم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعينيه وعقبيه: ٢٣٣٩۔ [السنة: ٣٦٤٣]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلیع الضم، اشکل العینین منہوش العقب تھے۔ شعبہ نے کہا: میں نے سماک (بن حرب) تابعی سے پوچھا: ضلیع الضم کا کیا مطلب ہے؟ توانھوں نے کہا: بڑے (اور چوڑے) منہ والے، میں نے کہا: اشکل العین کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: لمبی آنکھوں والے میں نے کہا: منہوش العقب کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: جس کی پنڈلیوں پر گوشت کم ہو۔

(۱۵۹)عَنْ جَابِرِ رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ: ((عُرِضَ عَلَيَّ الأَنْبِيَاءُ فَإِذَا مُوْسٰى ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ ، وَرَأَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيْمَ فَإِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ ـ يَعْنِي نَفْسَهُ ـ وَرَأَيْتُ جِبْرِيْلَ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ))۔ صحیح[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر (معراج والی رات) نبیوں کو پیش کیا گیا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام شنوءۃ قبیلے کے طاقت ور مردوں کی طرح ہیں (جن پر گوشت کم ہوتا ہے) اور میں نے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو دیکھا وہ عروہ بن مسعود الثقفی کے زیادہ مشابہ تھے اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ آپ کے نبی کے (میرے) زیادہ مشابہ تھے اور میں نے جبریل کو دیکھا وہ دحیہ الکلبی کے زیادہ مشابہ تھے۔

(۱۶۰)عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ص قَالَ: كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم حُمُوْشَةٌ ، وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلاَّ تَبَسُّمًا، وَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ ، وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ ـ غریب[2]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں پتلی تھیں آپ (عام طور پر) تبسم کے علاوہ، ہنستے نہیں تھے اور میں جب بھی آپ کی طرف دیکھتا تو کہتا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔

(۱۶۱)عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ ، فَلَهُوَ أَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ ـ [3]

[1]صحیح، أخرجه الترمذي:٣٦٣٩ والشمائل: ١٣ومسلم، الإيمان باب الإسراء:١٦٧۔[السنة: ٣٦٥١] [2] إسناده ضعيف، الترمذي:٣٦٤٥ والشمائل:٢٢٥ حجاج بن أرطاة ضعيف ومدلس وعنعن۔[السنة: ٣٦٤٢] [3] ضعيف أخرجه الترمذي:٢٨١١والشمائل:١٠، أشعث بن سوار ضعيف كما فى التقريب(٥٢٤)۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خوب چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سرخ کپڑا تھا۔ میں آپ کی طرف دیکھتا اور چاند کی طرف دیکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

(١٦٢)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دانتوں میں خالی جگہ تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانتوں سے نور نکل رہا ہے۔

(١٦٣)عَنِ الْبَرَاءِ رضى اللّٰه عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم مَرْبُوْعًا بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَهُ شَعْرٌ بَلَغَ شَحْمَةَ أُذُنِهِ، رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ۔صحيح[2]

سیدنا براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے قد اور چوڑے کندھوں والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے میں نے آپ کو سرخ کپڑے میں دیکھا ہے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

(١٦٤)قَالَ أَبُو الطُّفَيْلِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَمَا بَقِيَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ رَآهُ غَيْرِي قُلْتُ صِفْهُ لِي قَالَ: كَانَ أَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا۔صحيح[3]

سیدنا ابوالطفیل (عامر بن واثلہ) رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور (آج) روئے زمین پر میرے سوا کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس نے آپ کو دیکھا ہو۔ میں (سعید الجریری) نے کہا: آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بتائیں تو انھوں نے فرمایا: آپ سفید، خوبصورت اور درمیانے قد کے تھے۔

(١٦٥)عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضى اللّٰه عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ، رَجِلَ الشَّعْرِ۔[4]

[1]إسناده ضعيف جدًا، أخرجه الترمذي فى الشمائل:١٥، عبدالعزيز بن أبي ثابت متروك۔[السنة:٣٦٤٤] [2] صحيح البخاري، المناقب باب صفة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم :٣٥٥١ ومسلم: ٢٣٣٧۔[السنة: ٣٦٤٦] [3] صحيح مسلم :٢٣٤٠، أخرجه الترمذي فى الشمائل :١٤۔[السنة:٣٦٤٨] [4] حسن ، أخرجه الترمذي فى الشمائل:١٢ وللحديث شواهد عند البخاري ومسلم وغيرهما۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید (رنگ کے) تھے گویا آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا تھا۔ آپ (بہت) کم گھنگھریالے بالوں والے تھے۔

موئے (بال) مبارک

(۱۶۶)عَن قَتَادَةَ قَالَ :سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ :كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ الله صلی اللّٰه علیه وسلم رَجِلاً، لَيْسَ بِالسَّبْطِ وَلاَ الْجَعْدِ بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهِ۔صحیح[1]

سیدنا قتادہ (تابعی) نے کہا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال (بہت) کم گھونگھریالے تھے، نہ تو (بالکل) سیدھے بال تھے اور نہ گھونگھریالے۔ آپ کے بال کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔

(۱۶۷)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰه عنه قَالَ :كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إِلٰى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ۔صحیح[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ (ہی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال، آدھے کانوں تک تھے۔

(۱۶۸)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ، وَلَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے تھے۔ آپ کے بال کندھوں سے اوپر اور کانوں سے نیچے تھے۔

(۱۶۹)عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللّٰه عنه قَالَ :مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ الله صلی اللّٰه علیه وسلم لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيْدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلاَ بِالطَّوِيْلِ ۔صحیح[4]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت، سر کے بالوں والا کوئی نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کندھوں کو چھور ہے تھے۔ آپ کے کندھے چوڑے تھے۔ آپ نہ چھوٹے قد کے تھے اور نہ لمبے قد کے۔ (درمیانے قد کے تھے)

[1]صحيح البخاري،اللباس باب الجعد:۵۹۰۵ مسلم: ۲۳۳۸۔[السنة:۳٦۳۷] [2] إسناده صحيح ، أبوداود:۴۱۸۵ وأخرجه عبدالرزاق فى المصنف:۲۰۵۱۹ والنسائى :۵۰٦۴ والترمذي فى الشمائل(۲۹)۔[السنة :۳٦۳۹] [3] إسناده حسن أخرجه الترمذي فى الشمائل: ۲۵۔ [4] صحيح مسلم ، الفضائل باب صفة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم :۲۳۳۷ وأخرجه الترمذي:۱۷۲۴۔

(١٧٠)عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ رضی اللّٰہ عنہ عَنْ خِضَابِ النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ ، لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِي لِحْيَتِهِ۔ صحيح[1]

سیدنا ثابت(البنانی، تابعی) کہتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب (لگانے کی حالت) تک نہیں پہنچے تھے۔ اگر میں چاہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے سفید بال گن سکتا تھا(بہت تھوڑے بال سفید تھے)۔

(١٧١)عَن قَتَادَةَ قَالَ :قُلْتُ لأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنہ:هَلْ خَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ؟ قَالَ :لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ ، إِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِي صُدْغِهِ، وَلٰكِنْ أَبُوْ بَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ ۔صحيح[2]

سیدنا قتادہ(تابعی) نے کہا: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا: آپ اس تک نہیں پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹیوں کے پاس کچھ بال سفید ہوئے تھے، لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم کے ساتھ سرخ خضاب لگایا تھا۔

(١٧٢)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ :مَا عَدَدْتُ فِي رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَلِحْيَتِهِ إِلاَّ أَرْبَعَ عَشْرَةَ بَيْضَاءَ ۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ (ہی) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی میں صرف چودہ سفید بال گنے تھے۔

(١٧٣)عَن سِمَاك بن حَرَب قال: قِيْلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ص: أَكَانَ فِي رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شَيْبٌ ؟ قَالَ : لَمْ يَكُنْ فِي رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شَيْبٌ إِلاَّ شَعَرَاتٌ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ ، إِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنَ ۔صحيح[4]

سیدنا سماک بن حرب(تابعی) نے کہا: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال سفید ہوئے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال سفید نہیں ہوئے تھے سوائے چند بالوں کے جو مانگ میں تھے جب آپ تیل لگاتے تو تیل ان (کی سفیدی) کو چھپا لیتا تھا۔

[1] صحيح البخاري، اللباس باب ما يذكر فى الشيب:٥٨٩٥ مسلم :٢٣٤١۔ [2] إسناده صحيح أخرجه الترمذي فى الشمائل: ٣٧۔[السنة: ٣٦٥٢] [3] إسناده صحيح أخرجه عبدالرزاق فى المصنف: ٢٠١٨٥، الترمذي فى الشمائل:٣٨۔[السنة:٣٦٥٣] [4] صحيح، أخرجه الترمذي فى الشمائل:٤٤ مسلم: ٢٣٤٤۔[السنة:٣٦٥٤]

(١٧٤)عَنْ حُرَيْزِ بْنِ عُثْمَانَ :أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بُسْرٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ الله صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ :رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أَكَانَ شَيْخًا قَالَ :كَانَ فِي عَنْفَقَتِهِ شَعَرَاتٌ بِيضٌ صحيح[1]

حریز بن عثمان (تابعی) نے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھوڑی کے نیچے چند بال سفید تھے۔

(۱۷۵)عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ شَيْبُ رَسُوْلِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نَحْوًا مِّنْ عِشْرِيْنَ شَعْرَةً۔ [2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بیس کے قریب تھے۔

(۱۷۶)عَنْ أَبِيْ رِمْثَةَ رضى اللّٰه عنه قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى اللّٰه عليه وسلم مَعَ ابْنٍ لِيْ فَقَالَ: ((ابْنُكَ؟))، فَقُلْتُ: نَعَمْ اشْهَدْ بِهٖ، فَقَالَ: ((لَا يَجْنِيْ عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِيْ عَلَيْهِ))۔ قَالَ: وَرَأَيْتُ الشَّيْبَ أَحْمَرَ۔ [3]

سیدنا ابو رمثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے بیٹے کے ساتھ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ میں نے کہا: ''جی ہاں، میں اس کی گواہی دیتا ہوں''، تو آپ نے فرمایا: نہ اس کا گناہ تجھے ملے گا اور نہ تیرا گناہ اسے ملے گا۔ (ابو رمثہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرخ کئے ہوئے سفید بال دیکھے۔

(۱۷۷)عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعَرًا مِّنْ شَعَرِ النَّبِيِّ مَخْضُوْبًا۔ [4]

سیدنا عثمان بن عبداللہ بن موہب (تابعی) نے کہا: میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انھوں نے ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نکالے جنھیں (سرخ) خضاب لگایا گیا تھا۔

مہر نبوت

(۱۷۸)عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ يَقُوْلُ: ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فَقَالَتْ [5]

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم :۳۵۴۶ مسلم: ۲۳۴۲۔ [السنة: ۳۶۵۵] [2] صحيح، أخرجه أحمد ۲/۹۰ الترمذي فى الشمائل: ۴۰ وابن ماجه: ۳۶۳۰ من حديث يحي ابن آدم به وللحديث شواهد عند البخاري: ۳۵۴۷ ومسلم: ۲۳۴۷ وغيرهما۔ [السنة: ۳۶۵۶] [3] صحيح، أخرجه الترمذي فى الشمائل: ۴۵۔ [السنة: ۳۶۵۷] [4] صحيح البخاري، اللباس باب ما يذكر فى الشيب: ۵۸۹۷۔ [5] متفق عليه، البخاري: ۶۳۵۲ ومسلم: ۲۳۴۵، كلاهما عن قتيبة به۔ الترمذي: ۳۶۴۳ وفى الشمائل: ۱۶۔ [السنة: ۳۶۳۲]

يَا رَسُوْلَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! إِنَّ ابْنَ أُخْتِيْ وَجِعٌ۔ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ، فَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ، فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتِمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ۔ صحيح

سیدنا السائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا (یہ) بھانجا بیمار ہے''، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی پس آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے

وضو کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان (نبوت کی) مہر کو دیکھا جو دلہن کے پردے بٹن جیسی تھی۔

(١٧٩)عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ۔ صحيح[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان (نبوت کی) مہر کو دیکھا ہے۔ وہ کبوتری کے انڈے جیسی، گول گوشت (اور) بالوں والا ٹکڑا تھی۔

(١٨٠)قَالَ أَبُوْ زَيْدِ بْنُ أَخْطَبَ الْأَنْصَارِيُّ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ((يَا أَبَا زَيْدٍ أُدْنُ مِنِّيْ فَامْسَحْ ظَهْرِيْ))فَمَسَحْتُ ظَهْرَهُ فَوَقَعَتْ أَصَابِعِيْ عَلَى الْخَاتَمِ۔ قُلْتُ: وَمَا الْخَاتَمُ؟ قَالَ: ((شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ))۔[2]

سیدنا ابوزید بن اخطب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوزید میرے قریب آ اور میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو میری انگلیاں (نبوت کی) مہر پر لگیں۔ میں نے کہا: کیسی مہر؟ (تو انھوں نے) کہا: (ابھرے گوشت پر) کچھ اکٹھے بال تھے۔

(١٨١)عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ ص قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، وَأَكَلْتُ مِنْ طَعَامِهِ، وَشَرِبْتُ مِنْ شَرَابِهِ، وَرَأَيْتُ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ فِيْ نُغْضِ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى كَأَنَّهُ جُمْعٌ خِيْلَانٍ سُوْدٍ كَأَنَّهَا ثَآلِيْلُ۔ صحيح[3]

[1]صحيح، أخرجه الترمذي: ٣٦٤٤ والشمائل: ١٧، مسلم: ٢٣٤٤۔[السنة: ٣٦٣٣] [2] إسناده صحيح، أخرجه الترمذي في الشمائل: ٢٠ وصححه ابن حبان: ٢٠٩٦ والحاكم ٢/٦٠٦ ووافقه الذهبي۔
[3] صحيح، أخرجه علي بن الجعد في مسنده: ٢١٥٤ ومسلم: ٢٣٤٦۔[السنة: ٣٦٣٤]

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھایا اور پانی پیا ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں کندھے کے اوپر مہر نبوت کو دیکھا ہے گویا وہ کالے خالوں کا مجموعہ ہے۔ گویا کہ وہ مسے ہیں۔

(١٨٢)عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ ص عَنْ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ يَعْنِيْ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ۔ فَقَالَ: كَانَ فِيْ ظَهْرِهِ بَضْعَةً نَاشِزَةً۔[1]

سیدنا ابونضرہ (تابعی) نے کہا: میں نے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

(۱۸۳)عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَتْ :أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَعَ أَبِيْ وَعَلَيَّ قَمِيْصٌ أَصْفَرُ۔قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:((سَنَہْ سَنَہْ))۔قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ: وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ قَالَتْ :فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِيْ أَبِيْ ، قَالَ رَسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :((دَعْهَا))، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:((أَبْلِيْ وَأَخْلِقِيْ ثُمَّ أَبْلِيْ وَأَخْلِقِيْ ثُمَّ أَبْلِيْ وَأَخْلِقِيْ))۔صحیح[2]

سیدنا ام خالد رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے ابا (خالد بن سعید رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور میرے اوپر زرد رنگ کی قمیص تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنہ سنہ۔ عبداللہ نے فرمایا: یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اس کا مطلب ہے: اچھا۔ (ام خالد نے) کہا: میں آپ کی مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے لگی (کیونکہ وہ انتہائی چھوٹی بچی تھی) تو میرے باپ نے مجھے ڈانٹا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کپڑے استعمال کر کے خوب بوسیدہ کرے، تو کپڑے استعمال کر کے خوب بوسیدہ کرے، تو کپڑے استعمال کر کے خوب بوسیدہ کرے (اللہ تیری عمر لمبی کرے)

خوشبودار جسم اطہر

(۱۸۴)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ :مَاشَمَمْتُ رَائِحَةً قَطُّ مِسْكَةً وَلَا عَنْبَرَةً أَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ [3]

[1]إسنادہ حسن ، الترمذي فی الشمائل: ۲۲ وله طريق آخر في مسند الإمام أحمد ۱/۶۹۔ [2] صحيح البخاري، الأدب باب من ترک صبية غيره حتیٰ تلعب به: ۵۹۹۳۔ [3] صحيح وللحديث طرق عند البخاري: ۱۹۷۳ و مسلم: ۲۳۳۰ وغيرهما۔ [السنة: ۳۶۵۸]

رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، وَلَا مَسِسْتُ شَيْئًا قَطُّ خَزَّةً وَلَا حَرِيْرَةً أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔صحیح

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے جسم مبارک) کی خوشبو سے زیادہ نہ مشک کستوری سونگھی ہے اور نہ مشک عنبر، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ ملائم نہ ریشم چھوا نہ اس سے ملائم جلد والا کوئی اور کپڑا۔ (آپ کی خوشبو سب سے زیادہ اچھی اور آپ کی ہتھیلیاں سب سے زیادہ ملائم تھیں)

(۱۸۵)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰه عنه قَالَ :دَخَلَ عَلَيْنَا النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ، فَقَالَ :عِنْدَ نَا. فَعَرِقَ ، وَجَاءَتْ أُمِّي بِقَارُورَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فِيهَا. فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ فَقَالَ :((يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ ؟))، قَالَتْ :هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيبِنَا وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيبِ ـ صحیح[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (ہمارے گھر میں) تشریف لائے اور قیلولہ کیا۔ آپ کو پسینہ آگیا تو میری ماں (ام سلیم) ایک برتن لائی اور ہاتھوں سے یہ پسینہ پونچھ کر برتن میں ڈالنے لگیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے تو فرمایا: اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟ انھوں نے کہا: آپ کا یہ پسینہ ہم اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔ یہ خوشبو سے زیادہ پاکیزہ (اور اچھی) خوشبو والا ہے۔

(۱۸۶)عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صَلَاةَ الْأُولٰى ، ثُمَّ خَرَجَ إِلٰى أَهْلِهِ وَخَرَجْتُ مَعَهُ. فَاسْتَقْبَلَهُ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ أَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا. قَالَ :وَأَمَّا أَنَا فَمَسَحَ خَدِّيَ ـ قَالَ : فَوَجَدْتُ لِيَدِهِ بَرْدًا أَوْ رِيحًا، كَأَنَّمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ ـ صحیح[2]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے، میں آپ کے ساتھ گیا۔ آپ کے سامنے دو لڑکے آئے تو آپ دونوں کے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے رہے اور میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا وہ عطر فروش کے خوشبودار برتن سے باہر نکلا ہے۔

(۱۸۷)عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَ :خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم بِالْهَاجِرَةِ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَتَوَضَّأَ[3]

[1]صحيح مسلم ، الفضائل باب طيب عرق النبي صلی اللّٰه علیه وسلم :۲۳۳۱ـ[السنة:۳۶۶۱] [2] صحيح مسلم ، أيضًا :۲۳۳۰ـ[السنة:۳۶۵۹] [3] صحيح البخاري، المناقب باب صفة النبي صلی اللّٰه علیه وسلم :۳۵۵۳، مسلم الصلوٰة باب سترة المصلي: ۵۰۳ـ

ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ ـ قَالَ شُعْبَةُ: وَزَادَ فِيهِ عَوْنٌ عَنْ أَبِيهِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ :كَانَ يَمُرُّ مِنْ وَرَائِهَا الْمَرْأَةُ، وَقَامَ النَّاسُ وَجَعَلُوا يَأْخُذُونَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُونَ بِهَا وُجُوهَهُمْ ـ قَالَ : فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِي ، فَإِذَا هِيَ أَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَأَطْيَبُ رَائِحَةً مِنَ الْمِسْكِ ـ صحیح

سیدنا ابوحجیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سفر میں) دوپہر کو بطحاء کی طرف گئے تو وضو کیا پھر ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کے سامنے نیزہ (گڑا ہوا) تھا۔ شعبہ نے دوسری سند سے ابوجحیفہ سے روایت کیا کہ اس نیزے کے پیچھے سے عورت گزری اور (بعد میں) لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو (احترام و محبت سے) پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ برف سے زیادہ ٹھنڈے اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھے۔

(۱۸۸)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: كُنَّا نَعْرِفُ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إِذَا أَقْبَلَ بِطِيبِ رِيحِهِ۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ کی خوشبو آجاتی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیتے تھے (کہ آپ آرہے ہیں)۔

(۱۸۹)عَنْ جَابِرٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خِصَالٌ: لَمْ يَكُنْ فِي طَرِيقٍ فَيَسْلُكُهُ أَحَدٌ إِلاَّ عَرَفَ أَنَّهُ يَسْلُكُهُ مِنْ طِيبِ عَرَقِهِ أَوْ طِيبِ عَرْفِهِ۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (کئی بے مثال) خصلتیں تھیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گزرتے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی خوشبو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیتے تھے۔

[1]ضعیف جدًا، أبو الشیخ ص۹۷، عمر بن سعید الأبح منکر الحدیث کما قال البخاري۔[السنة :۳۶۶۲] [2] ضعیف، أبو الشیخ ص ۹۹، أبو الزبیر عنعن ومغیرة بن عطیة مجهول الحال، وأحمد بن محمد بن یعلی الأدمي فیه نظر۔

اخلاقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۹۰)قَالَ الْبَرَاءُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰہص أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُمْ خُلُقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلاَ بِالْقَصِيرِ۔ صحیح[3]

[3] صحیح البخاري، المناقب باب صفة النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم :۳۵۴۹ مسلم، الفضائل باب في صفة النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم :۲۳۳۷۔[السنة:۳۶۶۳]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہترین اخلاق والے تھے۔ نہ بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے۔

(۱۹۱)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلاَ لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا۔ وَلاَ مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلاَ حَرِيرًا وَلاَ شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وَلاَ شَمَمْتُ مِسْكًا وَلاَ عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ صحیح[1] [1]صحیح،أخرجه الترمذي: ۲۰۱۵والشمائل: ۳۴۴ ومسلم :۲۳۳۰عن قتیبة به۔[السنة: ۳۶۶۴]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ کسی کام پر جو میں نے کیا تھا، کہا: تونے یہ کیوں کیا ہے؟ اور نہ کسی چیز پر جسے میں نے چھوڑا یہ کہا کہ تونے اسے کیوں نہیں کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ریشم، حریر یا اس جیسی کوئی چیز نہیں چھوئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے زیادہ خوشبودار کوئی کستوری یا عطر نہیں سونگھا۔

(۱۹۲)عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِينَ، وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي أَنْ يَكُونَ، فَمَا قَالَ لِي: (أُفٍّ) لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا، أَوْ أَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا۔[2] [2]إسناده صحيح ، أبوالشيخ ص ۳۶ أبوداود، الأدب باب ۱ ح ۴۷۷۴ وهو متفق عليه من حديث ثابت به۔ [السنة: ۳۶۶۵]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے اور میں ایک (چھوٹا) لڑکا تھا جو اپنے ساتھی (اور سرپرست) کی ہر بات تو اسی طرح نہیں کرتا جیسا کہ وہ چاہتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا: اوئے تونے یہ کیوں کیا ہے اور یہ کیوں نہیں کیا؟

(۱۹۳)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا۔ فَأَرْسَلَنِي يَوْمًا لِحَاجَةٍ۔ فَقُلْتُ: وَاللّٰہِ لَا أَذْهَبُ وَفِي نَفْسِي أَنْ أَذْهَبَ فَخَرَجْتُ حَتّٰى أَمُرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي السُّوقِ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَدْ قَبَضَ بِقَفَائِي مِنْ وَرَائِي، قَالَ: [3] [3] صحيح مسلم، الفضائل باب كان رسول الله صلي الله عليه وسلم أحسن الناس خلقًا: ۲۳۱۰۔

فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقَالَ: يَا أُنَيْسُ ذَهَبْتَ حَيْثُ أَمَرْتُكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ أَنَا أَذْهَبُ يَا رَسُولَ اللّٰہِ!۔ صحيح

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا تو میں نے کہا: "واللہ، میں نہیں جاؤں گا،، اور دل میں یہ تھا کہ (ضرور) جاؤں گا۔ پھر میں نکلا اور بازار میں کھیلنے والے بچوں کے پاس سے گزرا (تو ان کے ساتھ کھیلنے لگا) کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میری گدی کے پیچھے سے پکڑ لیا ہے جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے (پیار سے) فرمایا: اے انیس! تو اس کام کے لیے گیا ہے جس کا میں نے تجھے حکم دیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، اب جاتا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

(۱۹۴)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سِنِينَ، فَمَا سَبَّنِي سَبَّةً قَطُّ، وَلَا ضَرَبَنِي ضَرْبَةً، وَلَا انْتَهَرَنِي، وَلَا عَبَسَ فِي وَجْهِي، وَلَا أَمَرَنِي بِأَمْرٍ فَتَوَانَيْتُ فِيهِ فَعَاتَبَنِي عَلَيْهِ، فَإِنْ عَاتَبَنِي عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ قَالَ: ((دَعُوهُ فَلَوْ قُدِّرَ شَيْئًا كَانَ))۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (دس) سال خدمت کی ہے آپ نے مجھے کبھی برا نہیں کہا اور نہ مارا اور نہ جھڑکا اور نہ اپنے چہرے سے ناراضی کا اظہار کیا اور نہ کبھی اس بات پر ناراض ہوئے جس کے کرنے کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا مگر میں نے سستی اور کوتاہی برتی تھی۔ اگر مجھے آپ کے گھر والے ڈانٹتے تو آپ فرماتے: اسے چھوڑ دو، اگر تقدیر میں اس کام کا ہونا ہوتا تو ہو جاتا۔

(۱۹۵)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تِسْعَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ أَسَأْتَ لَا بِئْسَ مَا صَنَعْتَ۔ وَكَانَ إِذَا انْكَسَرَ الشَّيْءُ يَقُوْلُ ((قُضِيَ))۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نو سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے آپ نے مجھے کسی چیز کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ تو نے غلط کیا ہے یا برا کیا ہے اور اگر (مجھ سے) کوئی چیز ٹوٹ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اس کی تقدیر میں یہی تھا۔

[1]ضعیف، أبو الشیخ عبداللّٰہ بن محمد البزار الأصبهاني ص۳۵، ۳۶، علي بن زيد بن جدعان ضعيف مشهور وللحديث شواهد ضعيفة عند أحمد(۳/۲۲۱)وغیرہ۔ [2] ضعيف، أبو الشيخ ص۳۶ يزيد بن مهران الخباز لم يوثقه غير ابن حبان وضعفه أبو داود۔

(۱۹۶)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ أَحَدٌ أَحْسَنَ خُلُقًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، مَا دَعَاهُ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ وَلَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا قَالَ: ((لَبَّيْكَ))۔ فَلِذٰلِكَ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہیں تھا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا گھر والے آپ کو بلاتے تو آپ لبیک (حاضر ہوں) کہتے۔ پس اسی لیے اللہ نے قرآن پاک میں نازل فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾(سورۃ القلم: ۵)

"اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں۔"

(۱۹۷)عَنْ يَزِيْدَ بْنِ بَابَنُوْسَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَا كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ قَالَتْ: كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرْآنَ۔ ثُمَّ قَالَتْ: أَتَقْرَءُ وْنَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ۔ قَالَتْ: اقْرَأْهُ فَقَرَأْتُ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝﴾، حَتّٰى بَلَغَ: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾، فَقَالَتْ: هٰكَذَا كَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم))۔[2]

سیدنا یزید بن بابنوس (تابعی) سے روایت ہے کہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہا: اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔ پھر کہا: کیا تم سورۃ المؤمنون (زبانی) پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو انھوں نے کہا: پڑھو، تو میں نے پڑھی۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾

"مومن کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع (اور عاجزی) کرتے ہیں۔" حتیٰ کہ میں

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴾ (سورۃ المؤمنون: ۱۔۹)

"اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں،،

[1] موضوع. أبو الشیخ ص۱۷، ۱۸، حسین بن علوان: کذاب مشهور۔ [2] حسن. أبو الشیخ ص۹۲ ورواه النسائي في الکبریٰ: ۱۱۳۵۰ عن قتیبة بن سعید: نا جعفر (بن سلیمان به) وللحدیث شواهد۔

تک پہنچا تو انھوں نے فرمایا: اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔

(۱۹۸) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِیْهِ سَعِیْدٍ قَالَ: اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللّٰه عنه عَلَی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ مِنْ قُرَیْشٍ یَسْأَلْنَهُ وَیَسْتَکْثِرْنَهُ عَالِیَةً أَصْوَاتُهُنَّ عَلٰی صَوْتِهِ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ، فَأَذِنَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم فَدَخَلَ وَرَسُوْلُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یَضْحَکُ وَقَالَ: أَضْحَکَ اللّٰهُ سِنَّکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللّٰه علیه وسلم: ((عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِيْ کُنَّ عِنْدِيْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَکَ بَادَرْنَ الْحِجَابَ))۔ فَقَالَ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ أَنْ یَهَبْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْهِنَّ فَقَالَ: أَيْ یَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَیَهَبْنَنِيْ وَلَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم، فَقُلْنَ: نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَ أَغْلَظُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فَقَالَ النَّبِيُّ: ((إِیْهٍ یَاابْنَ الْخَطَّابِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِیَدِهٖ مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ قَطُّ سَالِکًا فَجًّا؛ إِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ))۔ صحیح[1]

سیدنا سعد (بن ابی وقاص) فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی آپ کے پاس قریش کی کچھ عورتیں بہت زیادہ سوالات کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں آپ کی آواز سے بلند تھیں۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو وہ عورتیں بھاگ کر پردے میں چھپ گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تو وہ اندر داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہنساتا رہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر تعجب ہے جو میرے پاس تھیں جب انھوں نے تیری آواز سنی تو بھاگ کر چھپ گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں۔ پھر ان عورتوں کی طرف (جہاں وہ چھپ گئی تھیں) منہ کر کے کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتی؟ تو انھوں نے کہا: جی

ہاں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بہت زیادہ) سخت ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تو جس راستے پر چلتا ہے تو شیطان اسے چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا جاتا ہے۔

[1]صحیح ، أخرجه البخاري:۶۰۸۵ مسلم :۲۳۹۶ من حديث إبراهيم بن سعد به۔[السنة :۳۸۷۴]

(۱۹۹)عَنْ سَلَمَةَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَلٰى قَوْمٍ مِنْ بَنِيْ أَسْلَمَ يَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ: ((ارْمُوْا بَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا وَأَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ لِأَحَدِ الْفَرِيْقَيْنِ))فَأَمْسَكُوْا بِأَيْدِيْهِمْ قَالَ: فَقَالَ: مَا لَهُمْ؟ قَالُوْا وَكَيْفَ نَرْمِيْ وَأَنْتَ مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ: قَالَ: ((ارْمُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ))۔صحیح[1]

سیدنا سلمہ (بن الاکوع) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسلم کی ایک جماعت کے پاس آئے جو بازار میں تیر اندازی کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو اسماعیل، تیر پھینکو، کیونکہ تمھارے باپ (اسماعیل) تیر انداز تھے اور میں دونوں گروہوں سے بنو فلاں کے ساتھ ہوں تو انھوں نے تیر اندازی روک دی، آپ نے فرمایا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: ہم کس طرح تیر پھینکیں جب کہ آپ بنو فلاں کے ساتھ ہیں تو آپ نے فرمایا: پھینکو اور میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

(۲۰۰)عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ الْقَوْمُ: هٰذَا عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ ـ وَجِئْتُ بِغَيْرِ أَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ، فَلَمَّا رُفِعْتُ إِلَيْهِ أَخَذَ بِيَدِيْ، وَقَدْ كَانَ قَالَ قَبْلَ ذٰلِكَ: إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ ـ قَالَ: فَقَامَ بِيْ فَلَقِيَتْهُ امْرَأَةٌ وَصَبِيٌّ مَعَهَا فَقَالَا: إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَامَ مَعَهُمَا حَتّٰى قَضٰى حَاجَتَهُمَا، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ حَتّٰى أَتٰى بِيْ دَارَهُ فَأَلْقَتْ لَهُ الْوَلِيْدَةُ وِسَادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ((مَا يُفِرُّكَ إِلَّا أَنْ يُقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَهَلْ يُعْلَمُ مِنْ إِلٰهٍ سِوَى اللّٰهِ؟))قَالَ: قُلْتُ: لَا ـ قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّمَا تَفِرُّ أَنْ يُقَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَتَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنَ اللّٰهِ؟))قَالَ: قُلْتُ لَا، قَالَ: ((فَإِنَّ الْيَهُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ، وَإِنَّ النَّصَارٰى ضُلَّالٌ))قَالَ: قُلْتُ: فَإِنِّيْ حَنِيْفٌ مُسْلِمٌ، فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبَسَّطَ فَرَحًا قَالَ: ثُمَّ أَمَرَنِيْ فَأُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَعَلْتُ أَغْشَاهُ آتِيْهِ طَرَفَيِ النَّهَارِ، قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا عِنْدَهُ عَشِيَّةً إِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ فِيْ ثِيَابٍ مِنَ الصُّوْفِ مِنْ هٰذِهِ النِّمَارِ قَالَ: فَصَلّٰى وَقَامَ فَحَثَّ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ: ((وَلَوْ بِصَاعٍ وَلَوْ بِنِصْفِ صَاعٍ وَلَوْ بِقُبْضَةٍ وَلَوْ بِبَعْضِ قُبْضَةٍ، يَقِيْ أَحَدُكُمْ وَجْهَهُ حَرَّ جَهَنَّمَ أَوِ النَّارِ وَلَوْ [2]

[1]صحیح البخاري، الجهاد باب نسبة اليمن إلى إسماعيل إلخ :۳۵۰۷۔ [2] صحیح، أخرجه الترمذي:۲۹۵۳ عن عبد بن حميد به وقال: ''حسن غريب''۔

بِتَمْرَةٍ أَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ: فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَاقِي اللّٰهِ فَقَائِلٌ لَهُ مَا أَقُوْلُ لَكُمْ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَبَصَرًا؟ فَيَقُوْلُ: بَلٰى، فَيَقُوْلُ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ مَالًا وَوَلَدًا؟ فَيَقُوْلُ: بَلٰى، قَالَ: فَأَيْنَ مَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ؟ فَنَظَرَ قُدَّامَهُ وَبَعْدَهُ وَعَنْ يَمِيْنِهِ

وَشِمَالِهِ ثُمَّ لَا يَجِدُ شَيْئًا يَقِي بِهِ وَجْهَهُ جَهَنَّمَ تَوَقَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ لَيِّنَةٍ؛ فَإِنِّي لَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الْفَاقَةَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُكُمْ وَمُعْطِيكُمْ حَتّٰى يَسِيرَ الظَّعِينَةُ فِيمَا بَيْنَ يَثْرِبَ وَالْحِيرَةِ أَكْثَرَ مَا يَخَافُ عَلٰى مَطِيَّتِهَا السَّرَقَ ،))قَالَ :فَجَعَلْتُ أَقُولُ فِي نَفْسِي أَيْنَ لُصُوصُ طَيِّئٍ ۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے کہا: یہ عدی بن حاتم ہے اور میں بغیر کسی امان یا تحریری معاہدے کے آیا تھا۔ جب مجھے آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں اس سے پہلے یہ چاہتا تھا کہ اللہ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔ آپ میرے ساتھ کھڑے ہو گئے تو ایک عورت ایک بچے کے ساتھ آپ کو ملی انھوں نے کہا: ہمیں آپ سے ایک کام ہے آپ اس عورت کے پاس کھڑے رہے حتیٰ کہ ان کا کام کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے تو ایک لڑکی نے آپ کے لیے تکیہ (بچھونا) بچھایا تو اس پر بیٹھ گئے اور میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہا: (اے عدی) کیا تجھے لا الٰہ الا اللہ کا کہنا بھگا رہا ہے؟ کیا تو اللہ کے سوا کوئی معبود جانتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، پھر آپ نے کچھ دیر باتیں کیں اور کہا: کیا تو اللہ اکبر، کہنے سے بھاگ رہا ہے۔ کیا تو کوئی ایسی چیز جانتا ہے جو اللہ سے بڑی ہے' میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: یہودیوں پر (اللہ کا) غضب ہوا ہے اور نصرانی گمراہ ہیں۔ میں نے کہا: ''میں حنیف مسلم ہوں،، تو آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ ایک انصاری آدمی کے پاس ٹھہروں۔ میں آپ کے پاس ان کے شروع اور آخر میں آتا تھا۔

ایک دفعہ میں آپ کے پاس موجود تھا کہ ایک قوم (کے لوگ) آئے جو اون کے ان کمبلوں کو اوڑھے ہوئے تھے (سخت غریب تھے) آپ نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے پھر ان لوگوں کے لیے (صدقے کی) ترغیب دی۔ فرمایا: اگر ایک صاع ہو یا نصف صاع، ایک مٹھی ہو یا اس کا بعض حصہ، ہر آدمی اپنے چہرے کو نار جہنم سے بچالے اگرچہ ایک کھجور (کا صدقہ) ہو یا اس کا ٹکڑا ہو۔ کیونکہ تم میں سے ہر ایک اپنے اللہ سے ملاقات کرنے والا ہے تو وہ (اللہ) اس سے کہے گا جو میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کیا میں نے تجھے سننے دیکھنے کی طاقت نہیں دی تھی؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں، وہ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال اور اولاد نہیں دی تھی؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں، تو اللہ فرمائے گا: کہاں ہے وہ جو تو نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے؟ تو وہ اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھے گا مگر ایسی کوئی چیز نہیں پائے گا جو اسے جہنم کے عذاب سے بچا سکے۔ تم میں سے ہر آدمی آگ سے (صدقہ دے کر) بچے اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اگر یہ (بھی) نہ پائے تو نرم بات کرے۔ بے شک مجھے تم (سب کے سب) پر فاقے کا خوف نہیں ہے یقیناً اللہ تمھارا مددگار اور (رزق) بخشنے والا ہے حتیٰ کہ یثرب اور حیرہ کے درمیان ایک ہودج والی عورت سفر کرے گی۔ اسے اپنے سامان پر صرف خفیہ چوروں کا ہی ڈر ہوگا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا: طے (قبیلے) کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے؟

(۲۰۱)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :مَاضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلاَّ أَنْ يُّجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَلَا امْرَأَةً۔ صحیح[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں جہاد کے علاوہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو مارا۔

(۲۰۲)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كُنْتُ أَلْعَبُ بِاللُّعَبِ فَيَأْتِيْنَ صَوَاحِبِي ، فَإِذَا دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَرَرْنَ مِنْهُ فَيَأْخُذُهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَيَرُدُّهُنَّ عَلَيَّ ۔صحیح[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (ہی) سے روایت ہے کہ میں گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تھی تو میری سہیلیاں آجاتیں پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر میں) داخل ہوتے تو وہ آپ سے بھاگ جاتیں۔ پس آپ انھیں پکڑ کر میرے پاس لے آتے تھے۔

(۲۰۳)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :وَاللّٰہِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ :وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلٰى [3]

[1]صحيح، أخرجه الترمذي فى الشمائل: ٣٤٧ مسلم، الفضائل باب مباعدته اللآثام ـ ح ٢٣٢٨ حديث عبدة بن سليمان به۔ [السنة:٣٦٦٧] [2] متفق عليه، أخرجه عبدالرزاق فى المصنف: ١٩٧٢٢، البخاري، الأدب باب الإنبساط إلى الناس: ٦١٣٠ مسلم، الفضائل باب في فضائل عائشة: ٢٤٤٠ من حديث هشام به۔ [3] صحيح، أخرجه عبدالرزاق فى المصنف: ١٩٧٢١، البخاري، النكاح باب حسن المعاشرة مع الأهل :٥١٩٠ من حديث معمر به۔

بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ، ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ أَجْلِيْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَنَا الَّذِيْ أَنْصَرِفُ ۔فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةُ عَلَى اللَّهْوِ ۔صحیح

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے تھے اور حبشی (اپنے) نیزوں کے ساتھ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے ساتھ مجھے چھپا رکھا تھا تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان اور کندھوں کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھ سکوں۔ پھر جب میں واپس جانا چاہتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری وجہ سے کھڑے ہو جاتے۔ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی کا اندازہ لگاؤ جو کھیل کود کی حرص رکھتی ہے۔

(۲۰۴)عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا ۔وَكَانَ يَقُوْلُ :((خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا))۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحش اور بے ہودہ گو نہیں تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے: تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔

(۲۰۵)عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ :لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فَاحِشًا ، لَا مُتَفَحِّشًا ، لَا سَخَّابًا فِي الأَسْوَاقِ لَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ : وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ ۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو اور بے حیائی کی گفتگو کرنے والے نہیں تھے۔نہ آپ بازاروں میں شور مچاتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ آپ معاف فرمادیتے اور درگزر فرماتے تھے۔

(۲۰۶)عَنْ أَنَسٍ رضی اللّٰه عنه:لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم سَبَّابًا لَا فَحَّاشًا لَا لَعَّانًا، كَانَ يَقُوْلُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ :مَالَهُ تَرِبَ جَبِيْنُهُ۔صحيح[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گالیاں دینے والے، فحش گو اور لعن طعن کرنے والے نہیں تھے۔ آپ جس پر عتاب فرماتے تو کہتے: اسے کیا ہو گیا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔

[1]متفق عليه، صحيح البخاري:۳۵۵۹، ۳۷۵۹، ۶۰۲۹، ۶۰۳۵ ومسلم : ۲۳۲۱ من حديث الأعمش به۔[السنة:۳۶۶۶] [2] إسناده صحيح، الترمذي في الشمائل :۳۴۶ والسنن: ۲۰۱۶۔[السنة :۳۶۶۸] [3] صحيح البخاري، الأدب باب ۳۸ ح ۶۰۳۱ و ۶۰۴۶ من حديث فليح به۔[السنة: ۳۶۶۹]

(۲۰۷)عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :مَارَأَيْتُ رَجُلاً أَكْثَرَ اسْتِشَارَةً لِلرِّجَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی آدمی بھی دوسرے لوگوں سے مشورہ لینے والا نہیں دیکھا۔

1۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فرضیت نہ بھولنا

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مخلوق میں سے ہر چیز کی محبت سے زیادہ ہو۔ اس بات پر دلالت کناں احادیث میں سے ایک وہ ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ: "

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم قَالَ: " فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ۔"[1]

"یقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور بیٹے سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔" اسی بات پر دلالت کرنے والی ایک اور حدیث وہ ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: "

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم : ’’لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ۔‘‘[2]

[1]صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلي الله عليه وسلم من الايمان ، رقم الحديث ۱، ۱۴،۵۸۔ [2] صحيح مسلم ،كتاب الإيمان، باب وجوب محبة النبي صلي الله عليه وسلم أكثر من الأہل والولد والوالد والناس اجمعين، . . . رقم الحديث۶۹۔ (۴۴)، ۶۷/۱۔

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:’’کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔‘‘

علاوہ ازیں قرآن کریم میں ہر اس شخص کے لیے عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آنے کی وعید ہے، جو اللہ تعالیٰ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کے مقابلے میں اپنے آباء، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں، قبیلوں، جمع شدہ مالوں، تجارت یا گھروں کے ساتھ زیادہ محبت رکھے۔ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا:

{قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهٖ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ } [1] [1]سورة التوبة / الآية۲۴۔

’’کہہ دیجئے! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے کنبے، تمہارے کمائے ہوئے مال، تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے، اور تمہاری پسندیدہ رہائش گاہیں تمہیں اللہ تعالیٰ، ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں، تو (اس بات کا) انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئیں۔ اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتے۔‘‘

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ:

اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ، ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں، تو پھر اس بات کا انتظار کرو، کہ اس کے گوناگوں عذابوں میں سے تم پر کس قسم کا عذاب نازل ہوتا ہے۔[1]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ’’

فِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ حُبِّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرَسُوْلِهٖ صلي الله عليه وسلم ، وَلَا خِلَافَ فِيْ ذٰلِكَ ، وَأَنَّ ذٰلِكَ مُقَدَّمٌ عَلٰى كُلِّ مَحْبُوْبٍ ۔‘‘[2]

’’(یہ) آیت اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فرضیت پر دلالت کناں ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ بات بھی ہے، کہ ان کی محبت ہر محبوب (کی محبت) پر مقدّم ہو۔‘‘

جب کوئی شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ جائے اور یہ حقیقت پیشِ نظر رکھے، کہ اس کا ایمان تب تک مکمل نہ ہو گا، جب تک کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرے، تو اس صورت میں توفیقِ الٰہی سے اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کما حقہ محبت کے جذبات میں خوب خوب اضافہ ہو گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کردہ ایک حدیث سے یہ حقیقت خوب اُجاگر ہوتی ہے۔ انہوں نے بیان کیا:

''كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلي الله عليه وسلم ،وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنه فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رضى الله عنه : ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِيْ۔'' فَقَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم :'لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ ! حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ

[1]ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر :۲/۳۷۸۔ [2] تفسیر القرطبي۸/۹۵۔

إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ ۔''

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ رضى الله عنه :''فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ ۔''

فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم : ''اَلْآنَ يَا عُمَرُ۔''[1]

''ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور تب آنحضرت نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یقیناً آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تجھے تمہاری جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! بلاشک وشبہ اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! اب (بات بنی ہے)'' اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں، کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، تو انہوں نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا، اپنی سابقہ فکر اور سوچ کا از سر نو جائزہ لیا اور ایک نئے نتیجے پر پہنچے، اور کامل صاف گوئی، صداقت اور صراحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس کا اظہار کیا اور وہ نتیجہ یہ تھا، کہ آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز، محبوب اور پیارے ہیں۔

[1]صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور ، باب كيف كانت يمين النبي صلي الله عليه وسلم ، رقم الحديث۶۶۳۲،۱/۵۲۳

2۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ثمرات ہمیشہ یادرکھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے قطعاً محتاج نہیں، کہ ہم ان سے محبت کریں۔ اللہ کریم نے اپنے فضل وکرم سے انہیں اس بات سے یکسر بے نیاز اور مستغنی فرمادیا ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرکے دنیا و آخرت میں انتہائی عظیم اور بیش قیمت ثمرات وبرکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا میں مٹھاسِ ایمان پانے کے اسباب میں سے ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ : أَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔''[1]

''تین (خصلتیں) جس شخص میں ہوں، وہ ایمان کی شیرینی سے بہرہ ور ہوگا: یہ کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے سب سے زیادہ پیارے ہوں، جس شخص سے محبت کرے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیںکرے اور کفر میں پلٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے، جیسے کہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔'' علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا رحمتِ الٰہی سے دائمی اور

[1] متفق عليه: صحيح البخاري ، كتاب الإيمان ، باب حلاوة الإيمان ، رقم الحديث ١٦، ١/٦٠؛ وصحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب خصأل من اتصف بهنّ وجد حلاوة الإيمان ، رقم الحديث ٦٧۔ (٤٣) ١/٦٦۔ الفاظ حديث صحيح البخاري کے ہیں۔

ابدی نعمتوں والی جنت میں آنحضرت کی ہمسائیگی اور پڑوس کی عظیم الشان سعادت پائے گا۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم ، فَقَالَ : ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا ، وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ ؟'' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم : ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ۔''[1]

'' ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے، لیکن وہ ان تک پہنچ نہیں سکا (یعنی اس نے اتنے نیک اعمال نہیں کیے، جتنے اُنہوں نے کیے ہیں)۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''آدمی اسی کے ساتھ ہے، جس کے ساتھ اس نے محبت کی۔'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان [اسی کے ساتھ ہے] سے مراد یہ ہے، کہ اس کے ساتھ جنت میں ہوگا۔[2]

جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ایسے عظیم الشان فوائد اور جلیل القدر برکات سے آگاہی کے بعد انہیں یادرکھے اور انہیں اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے، تو توفیقِ الٰہی سے اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

[1]متفق علیه: صحیح البخاري ، کتاب الأدب ، باب علامة الحب في اللّٰه تعالی ، رقم الحدیث ٦١٦٩ ، ١٠/٥٥٧ ؛ وصحیح مسلم ، کتاب البر والصلة والآداب ، باب المرء مع من أحبّ ، رقم الحدیث ١٦٥- (٢٦٤٠) ، ٤/ ٢٠٣٤- الفاظ حدیث صحیح البخاري کے ہیں۔ [2] ملاحظہ ہو: عمدة القاري١٩٧/٢٢-

کے چشمے پھوٹیں گے اور ان میں وسعت اور اضافہ ہو گا، کیونکہ انسانی فطرت مفید اور نفع مند چیز اور بات پسند کرتی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ تعداد اور مقدار میں حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔

3۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات فراموش نہ کرنا

انسانی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے، کہ وہ اپنے دکھ، درد، الم، غم اور رنج میں شریک ہونے والے، ان سے بچاؤ اور ان کے ازالے میں تعاون کرنے والے اور خیر و نفع پہنچانے کی کوشش کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ قدیم زمانے سے مشہور ہے:

''جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ أَحْسَنَ إِلَیْهَا۔''

''احسان کرنے والوں کی محبت دلوں میں ودیعت کی گئی ہے۔''

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمت کے لیے اذیت کا سبب بننے والی ہر بات اور چیز گراں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایسی بات اور چیز سے اُمت کو محفوظ کرنے کے لیے تاحدّ استطاعت سعی فرماتے۔ ہر نفع مند بات اور مفید چیز سے امت کو بہرہ ور کرنے کی خاطر انسانی طاقت کی آخری حدوں تک جدوجہد کرتے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے:

{لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ }[1]

''یقیناً تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں، جو تم ہی سے ہیں، جن پر تمہاری مضرت کی بات گراں ہے، جو تمہاری منفعت کے

[1]سورة التوبة/الآیة١٢٨-

بڑے خواہش مند ہیں، اہلِ ایمان کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی : {عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ } أَيْ یَعِزُّ عَلَیْهِ الشَّيْءُ الَّذِي یُعْنِتُ أُمَّتَهٗ وَیَشُقُّ عَلَیْهَا۔ {حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ } أَيْ عَلٰی هِدَایَتِكُمْ وَوُصُوْلِ النَّفْعِ الدُّنْیَوِيِّ وَالْأُخْرَوِيِّ إِلَیْكُمْ ۔'' [1]

(عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ) جو بات اُمت کو مبتلائے مشقت کرتی ہے، وہ ان پر گراں اور شاق ہوتی ہے۔

(حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری ہدایت اور تمہارے دنیوی واُخروی نفع پانے کے شدید خواہش مند ہیں۔" اُمت کی نہایت درجہ کی خیر خواہی اور انتہائی ہمدردی کا عالَم یہ تھا، کہ لوگوں کے اعراضِ حق کے غم اور افسوس میں خدشہ تھا، کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان کو ہلاک نہ کرلیں۔ ربّ علیم وخبیر نے خود اس بارے میں فرمایا:

{فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰىٓ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَسَفًا} [2]

"پس کیا آپ ان کے پیچھے ان کے ایمان نہ لانے کے افسوس میں اپنی جان ہلاک کرلیں گے۔"

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ایمان نہ لانے پر اس قدر شدید افسوس

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۴۳ باختصار؛ نیز ملاحظہ فرمائیے: تفسير القرطبي ۸/۳۰۲۔ [2] سورة الكهف/الآية ٦۔

سے منع بھی فرمایا ہے:

{فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ} [1]

"پس آپ ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ یہ کررہے ہیں، اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے نہایت درجہ ہمدردی اور شدید تعلّق کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صرف یہ گواہی ہی بہت کافی ہے:

{اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ} [2]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریبی ہیں۔"

قاضی ابن عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے:

"قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الْعَارِفِيْنَ: "هُوَ أَوْلٰى بِهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، لِأَنَّ أَنْفُسَهُمْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهَلَاكِ، وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى النَّجَاةِ۔" [3]

''بعض علمائے عارفین نے بیان کیا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان (اہل ایمان) کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں، کیونکہ ان کی جانیں انہیں تباہی وبربادی کی طرف بلاتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نجات کی طرف (آنے کی) دعوت دیتے ہیں۔''

صادق وامین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اُمت کے لیے اسی بات کو ایک مثال کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ

[1]سورۃ فاطر/الآیۃ۸۔ [2] سورۃ الأحزاب/الآیۃ٦۔ [3] المحرّر الوجیز۵۰/۱۳۔

سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَوْقَدَ نَارًا ، فَجَعَلَ الْجَنَادِبُ وَالْفَرَاشُ يَقَعْنَ فِيْهَا ، وَهُوَ يَذُبُّهُنَّ عَنْهَا ، وَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ ، وَأَنْتُمْ تُفْلِتُوْنَ مِنْ يَدِيْ ۔''[1]

''میری اور تمہاری مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہے، جس نے آگ روشن کی، تو پروانوں اور مچھروں نے اس میں کودنا شروع کردیا۔ وہ ان کو اس (میں کودنے) سے روکتا رہا اور میں آگ سے (تمہیں بچانے کی غرض سے) تمہاری کمروں کو تھامتا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلنے کے لیے چھینا جھپٹی کررہے ہو۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرحِ حدیث میں تحریر کیا ہے:

''وَهٰذَا مَثَلٌ لِاجْتِهَادِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ نَجَاتِنَا ، وَحِرْصِهٖ عَلَى تَخَلُّصِنَا مِنَ الْهَلَكَاتِ الَّتِيْ بَيْنَ أَيْدِيْنَا ، فَهُوَ أَوْلٰى بِنَا مِنْ أَنْفُسِنَا۔'' [2]

''یہ ہماری نجات کی خاطر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور پیش آمدہ بربادیوں سے ہمیں خلاصی دلانے کے لیے شدید خواہش کی مثال ہے۔ وہ ہماری اپنی جانوں سے زیادہ ہمارا خیال رکھنے والے ہیں۔''

اہل ایمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شفقت اور شدید تعلّق کی باتوں

[1]ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقة النبي صلي الله عليه وسلم على أمته ومبالغته في تحذيرهم عما يضرّهم، رقم الحديث ۱۹۔ (۲۲۸۵)، ۴۔۱۷۹۰۔ [2] تفسير القرطبي ۱۴/۱۲۲۔ اُمت کی ہدایت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش کے بعض واقعات کے لیے دیکھئے: راقم السطور کی کتاب[الحرص على هداية الناس في ضوء النصوص وسير الصالحين] ص ۱۹ سے ص ۴۰ تک۔

میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلاَّ وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ۔ اِقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ: {اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ}، فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوْا، فَإِنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا، فَلْيَأْتِنِي، وَأَنَا مَوْلاَهُ۔''[1]

''میں ہر مومن کے ساتھ دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ تعلّق رکھنے والا ہوں۔ اگر تم چاہو، تو پڑھو:[(ترجمہ:)''نبی(صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے ساتھ خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلّق رکھتے ہیں۔''] پس جو مومن بھی ترکہ چھوڑے، تو اس کے جو اعزّہ و اقارب بھی ہوں، وہ اس کے وارث ہوں گے، لیکن اگر اس نے قرض یا چھوٹی اولاد چھوڑی، تو وہ میرے پاس آ جائیں، میں ان کا ذمہ دار ہوں۔''

کوئی شخص یہ گمان نہ کرے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت و عنایت صرف اپنے زمانے میں موجود اہلِ ایمان ہی کے ساتھ تھی، بلکہ اس کا دائرہ قیامت تک آنے والی اُمت کے افراد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس بات کے دلائل میں سے ایک امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کردہ حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُوْ بِهَا، فَيُسْتَجَابُ لَهُ فَيُؤْتَاهَا، وَإِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔''[2]

[1] صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الأحزاب، باب، رقم الحديث ٤٧٨١، ٨/٥١٧۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب اختباء النبي صلي الله عليه وسلم دعوة الشفاعة لأمته، رقم الحديث ٣٣٩ـ (١٩٩)، ١/١٨٩۔

''ہر ایک نبی کی ایک قبول ہونے والی دعا ہوتی ہے، جسے وہ کرتا ہے اور اس کے طلب کرنے پر وہ اسے عطا کی جاتی ہے اور یقیناً میں نے اسے اُمت کی شفاعت کی غرض سے روزِ قیامت کے لیے چھپا رکھا ہے۔'' اس حدیث شریف میں یہ بات واضح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ (دعوۃ مستجابہ) کی عظیم نعمت کو اپنے یا اپنے اہل و عیال کی بجائے اُمت کی روزِ قیامت شفاعت کی خاطر محفوظ کر لیا۔ صَلَوٰتُ رَبِّيْ وَسَلاَمُهُ عَلَيْهِ۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ بَيَانُ كَمَالِ شَفَقَةِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وسلم عَلٰي أُمَّتِهِ، وَرَأْفَتِهِ بِهِمْ، وَاعْتِنَائِهِ بِالنَّظَرِ فِيْ مَصَالِحِهِمُ الْمُهِمَّةِ، فَأَخَّرَ صلي الله عليه وسلم دَعْوَتَهُ لِأُمَّتِهِ إِلٰى أَهَمِّ أَوْقَاتِ حَاجَتِهِمْ۔''[1] [1] شرح النووي ٣/٧٣۔

''اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر کمال شفقت و عنایت اور مصالح اُمت کو پیشِ نظر رکھنے کا بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا کو اُمت کی شدید حاجت کے اوقات کے لیے مخصوص فرما دیا۔'' ہر ذی شعور اور عقل مند شخص جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے آگاہ ہو گا اور اس کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کرے گا، تو توفیق الٰہی سے آنحضرت کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گی اور اس میں اضافہ اور ترقی ہو گی۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت شریفہ {اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ} کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

’’فِي الأُمُورِ كُلِّهَا ، فَإِنَّهُ يَأْمُرُهُمْ ، وَلاَ يَرْضَى مِنْهُمْ إِلاَّ بِمَا فِيْهِ صَلاَحُهُمْ ، وَنَجَاحُهُمْ بِخِلاَفِ النَّفْسِ ، فَلِذٰلِكَ أُطْلِقَ ...فَيَجِبُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَّكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ، وَأَمْرُهُ أَنْفَذُ إِلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهَا ، وَشَفَقَتُهُمْ عَلَيْهِ أَتَمُّ مِنْ شَفَقَتِهِمْ عَلَيْهَا۔‘‘[1]

’’(نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کے ساتھ ان کی اپنی جانوں سے زیادہ تعلّق رکھنے والے ہیں) یعنی تمام باتوں میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی اپنی جانوں کے برعکس، انہیں صرف انہی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور ان کے لیے وہ ہی پسند فرماتے ہیں، جن میں ان کی بھلائی اور نجات ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ان پر یہ واجب ٹھہرا، کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کے نزدیک اپنی نفسانی خواہشات پر مقدّم ہو، اور ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلّق اپنی جانوں کے ساتھ تعلق سے زیادہ ہو۔‘‘

4۔ شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنا

شان وعظمت اور قدر ومنزلت والے سے محبت کرنا انسانی طبیعت میں داخل ہے، اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے بلند و بالا، اگلے پچھلوں کے سردار، اولاد آدم علیہ السلام میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ومحترم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ تمام گھرانوں سے اعلیٰ، آنحضرت کا زمانہ تمام زمانوں سے بہترین، آنحضرت کی جائے پیدائش سرزمینِ مکہ، اللہ تعالیٰ کو سب شہروں

[1]تفسیر البیضاوی ۲/ ۲۳۹؛ نیز ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر ۳/۵۱۵۔

سے زیادہ عزیز، آنحضرت کی جائے ہجرت کا نام خود اللہ تعالیٰ نے [طابۃ] [پاکیزہ] رکھا، اور قیامت تک کے لیے اسے دجال اور طاعون سے محفوظ فرما دیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے مبارک وجود کو نزولِ عذاب کی راہ میں ایک قوی اور مؤثر رکاوٹ بنا دیا، خود اللہ مالک نے فرمایا:

{وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ } [1]

’’اور جب تک آپ ان کے درمیان رہیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دیں گے اور جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دیں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد روئے زمین پر موجود ہر شخص پر، خواہ وہ نبی ورسول ہی کیوں نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض قرار دیا، بلکہ اللہ جل جلالہ نے تو اس بات کا تمام انبیاءh سے عہد بھی لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

{وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَ أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ ط قَالُوْا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔} [2]

[1]سورۃ الأنفال/الآیۃ۳۳۔ [2] سورۃ آل عمران/الآیتان ۸۱،۸۲۔

''اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا، کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے، جو تمہارے پاس موجود چیز کی تصدیق کرے، تو تم ضرور اس کے ساتھ ایمان لے آؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تم اقرار کر چکے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کر چکے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہم نے اقرار کر لیا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پس تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ سو جس نے اس کے بعد اعراض کیا، تو وہی لوگ فاسق ہیں۔'' علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔[1] ان کی اطاعت کرنے والے کو اپنا محبوب بنانے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمانے کی بشارت دی۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی رحمت کے حصول[3] اور جنت میں انبیاء، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ اعلیٰ مقام پانے کا سبب قرار دیا۔[4]

[1] اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ}۔ [سورۃ النسآء/الآیۃ۸]۔ ''جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔'' [2] ارشادِ تعالیٰ ہے: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ}۔ [سورۃ آل عمران/الآیۃ۳۱]۔ ''کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، اور نہایت مہربان ہیں۔'' [3] ارشادِ رب العالمین ہے: {وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ}۔ [سورۃ آل عمران/الآیۃ ۱۳۲]۔ ''اور تم اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو، شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' [4] ارشادِ تعالیٰ ہے: {وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا}۔ [سورۃ النسآء/الآیتان ۶۹۔۷۰]۔ ''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کریں گے، وہ (جنت میں) انعام یافتہ لوگوں: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ رہیں گے، اور یہ لوگ بڑے اچھے ساتھی ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا (ان پر خاص) فضل ہو گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں۔''

مزید برآں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں، کہ ساری عزتوں کے مالک اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کو بلند وبالا فرمادیا۔ ارشادِ تعالیٰ ہے:

{وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ}[1]

''ہم نے آپ کی خاطر آپ کے نام کو بلند وبالا کر دیا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیٔ ذکر کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے، کہ بہت سے مقامات اور اوقات میں اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے بعد آنحضرت کا اسم گرامی ذکر کیا جاتا ہے اور ان میں سے ایک اذان کا وقت ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا:

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهٖ

إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

"اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا دیا، جب پانچوں (نمازوں) کے لیے اذان میں مؤذن (أشہد) پکارے۔"

مزید برآں روزِ قیامت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر سے اُٹھائے جائیں گے، وہ دربارِ الٰہی میں حاضری کے وقت خطیبِ خلق ہوں گے، حمدِ الٰہی کا عَلَم ان ہی کے دستِ مبارک میں ہو گا، آدم علیہ السلام اور دیگر سب انبیاء علیہم السلام ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ لوگوں کی مایوسی کے وقت انہیں نوید بشارت سنانے والے ہوں گے، اولین شفاعت کرنے والے ہوں گے اور سب سے پہلے انہی کی شفاعت شرفِ قبولیت پائے گی، وہ جنت کے دروازے پر سب سے پہلے دستک دیں گے اور اُسے اُنہی کے لیے سب سے پہلے کھولا جائے گا۔ جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بلند وبالا حیثیت حاصل ہو گی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ محمود عطا کیا جائے گا اور وہ ان کے سوا کسی اور کو میسر نہ ہو گا۔

[1]سورۃ الانشراح/الآیۃ۴۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا} 1[1] [1] سورۃ الإسراء/الآیۃ۷۹۔

"اور آپ رات کے کچھ حصے میں نمازِ تہجد میں قرآن پڑھیئے، یہ آپ کے لیے زائد نماز ہو گی، اُمید ہے، کہ آپ کے رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کر دیں گے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عظیم الشان مناقب اور کتاب و سنت میں وارد دیگر جلیل القدر فضائل سے آگاہی اور انہیں پیشِ نظر رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا ہو گی، اور اس میں اضافہ ہو گا۔ اسی سلسلے میں مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"إِنِّي أَعْتَقِدُ أَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ صَادِقٍ فِي إِسْلَامِهِ لَابُدَّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّفَ عَلَىٰ جُمْلَةٍ طَيِّبَةٍ مِنَ الْمَكَارِمِ الَّتِي أَكْرَمَ بِهَا نَبِيَّهُ، وَالْفَضَائِلِ الَّتِي فَضَّلَهُ بِهَا عَلَى الْعَالَمِينَ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَجْمَعِينَ، بَلْ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ بِأَدِلَّةٍ ثَابِتَةٍ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَالنَّظَرِ السَّلِيمِ فِيهِمَا، وَالْاِسْتِنْبَاطِ مِنْهُمَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يَزِيدُهُ بِلَاشَكٍّ إِيمَانًا وَحُبًّا مُخْلِصًا لِلنَّبِيِّ صلي الله عليه وسلم، هٰذَا الْحُبُّ الَّذِي هُوَ شَرْطٌ أَسَاسِيٌّ أَنْ يَسْتَقِرَّ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ مَقْرُونًا بِحُبِّ اللّٰهِ تَعَالَى الَّذِي تَفَضَّلَ بِإِرْسَالِهِ إِلَيْنَا۔"[1] [1]بداية السؤل في تفضيل الرسول صلي الله عليه وسلم ص۴۔

"میرا یہ اعتقاد ہے، کہ ہر سچے مسلمان کے لیے ضروری ہے، کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ اخلاقِ عالیہ کی ایک معقول تعداد، اور ان فضائل سے آگاہ ہو، جن کی رو سے اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام جنوں اور انسانوں پر، بلکہ برگزیدہ فرشتوں پر بھی فضیلت عطا فرمائی۔ اور یہ (بات) کتاب و سنت کے ٹھوس دلائل، اور ان میں نظر سلیم اور استنباط سے ثابت ہیں۔ بلاشک و شبہ اس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان اور مخلصانہ محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ محبت ایسی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث کرنے والے اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ،اس کا قلبِ مومن میں جاگزین ہونا[ایمان کی]بنیادی شرط ہے۔"

5۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کو جاننا اور یاد رکھنا

فطری طور پر لوگ بلند اخلاق والے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم اخلاق والے تھے۔ اس بارے میں صرف رب ذوالجلال کی گواہی ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ } [2] [2] سورۃ القلم /الآیۃ ٦۔

"یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عظیم اخلاق والے ہیں۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلّق دریافت کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: "إِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم كَانَ الْقُرْآنَ "[3] [3] ملاحظہ ہو: صحیح مسلم ۱/۵۱۲۔ ۵۱۳۔

"یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں::

"وَمَعْنَىٰ ذٰلِكَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَارَ اِمْتِثَالُ الْقُرْآنِ أَمْرًا وَّنَهْيًا سَجِيَّةً لَهُ ، وَخُلُقًا تَطَبَّعَهُ۔ فَمَهْمَا أَمَرَهُ الْقُرْآنُ فَعَلَهُ ، وَمَهْمَا نَهَاهُ عَنْهُ تَرَكَهُ۔ هٰذَا مَعَ مَا جَبَلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنَ الْخُلُقِ الْعَظِيمِ مِنَ الْحَيَاءِ وَالْكَرَمِ ،وَالشُّجَاعَةِ ، وَالصَّفْحِ وَالْحِلْمِ ، وَكُلِّ خُلُقٍ جَمِيلٍ ۔"[1] [1]ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر ۴/۴۲۵؛ نیز ملاحظہ ہو: التحریر والتنویر ۲۹/۶۴؛ وتفسیر السعدي ص ۹۶۲۔

"اس سے مراد یہ ہے، کہ قرآنی اوامر ونواہی کی پابندی آنحضرت J کی طبیعت اور مزاج میں رچ بس چکی تھی۔ قرآن کریم جس بات کا حکم دیتا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمل پیرا ہو جاتے، جس سے منع کرتا، اسے چھوڑ دیتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اخلاق عظیم کی ہر صفت: شرم و حیا، جود و سخا، شجاعت، عفو و درگذر، تحمل، بردباری اور دیگر ہر اچھا اخلاق جبلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں ودیعت فرما دیا تھا۔"

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق عالیہ کی ان بلندیوں پر فائز تھے، کہ مخلوق میں کوئی بھی اس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچا اور نہ ہی کسی کی تاروزِ قیامت اس تک رسائی ہو گی۔ علامہ العز عبد العزیز بن عبد السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَمِنْهَا أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَثْنٰى عَلٰى خُلُقِهٖ . فَقَالَ: {وَإِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ} وَاِسْتِعْظَامُ الْعُظَمَاءِ لِلشَّيْءِ يَدُلُّ عَلٰى إِيْغَالِهٖ فِي الْعَظَمَةِ . فَمَا الظَّنُّ بِاِسْتِعْظَامِ أَعْظَمِ الْعُظَمَاءِ ۔'' [1]

''اور ان میں سے (ایک بات) یہ ہے، کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: [(ترجمہ:) ''یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم اخلاق والے ہیں''] بڑوں کا کسی چیز کو بڑا کہنا، اس چیز کی بہت زیادہ عظمت پر دلالت کیا کرتا ہے، تو وہ چیز کس قدر عظیم ہو گی، جسے تمام بڑوں میں سے سب سے زیادہ بڑے (اللہ تعالیٰ) عظیم قرار دیں؟''

آیت شریفہ کی تفسیر میں علامہ الوسی نے لکھا ہے:

'لَا يُدْرِکُ شَأْوَهٗ أَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ ۔'' [2]

''مخلوق میں سے کسی کی اس کی بلندی تک رسائی نہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ ایفائے عہد کرنے والے، سب سے زیادہ شفیق و مہربان، سب سے زیادہ شرم و حیا والے، سب سے زیادہ جود و سخا والے، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، دوسروں کو اپنی ذات پر سب سے زیادہ ترجیح دینے والے اور دنیا اور اس کے ساز و سامان سے سب سے زیادہ زہد اختیار فرمانے والے تھے۔ [3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کے بارے میں گواہی دوست اور دشمن، موافق اور مخالف، سب لوگوں نے دی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے تاثرات بایں الفاظ بیان کیے:

[1] بداية السؤل في تفضيل الرسول صلي الله عليه وسلم ص۵۸۔ [2] روح المعاني ۲۹/۲۵۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے بارے میں بعض شواہد اور دلائل راقم السطور کی کتاب ''السلوک وأثره في الدعوة إلى اللّٰه تعالیٰ'' کے صفحات ۷۳۔۹۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔

''كَلَّا وَاللّٰهِ! لَا يُخْزِيْکَ اللّٰهُ أَبَداً ، إِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ۔'' [1]

"ہر گز نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، یقیناً آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لیے کماتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہِ حق میں (مبتلائے مصیبت لوگوں کی) اعانت کرتے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اخلاقِ عالیہ کے متعلق گواہی بایں الفاظ دیتی ہیں:

''مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم شَیْئًا قَطُّ بِیَدِہٖ، وَلَا امْرَأَۃً، وَلَا خَادِمًا إِلَّا أَنْ یُّجَاہِدَ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ وَمَا نِیْلَ مِنْہُ شَيْئٌ قَطُّ، فَیَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِہٖ إِلَّا أَنْ یُّنْتَہَکَ شَيْئٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ، فَیَنْتَقِمَ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔''[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو، مگر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راہِ اللہ میں جہاد کرتے۔ آپ کو اذیت پہنچائی جاتی، تو کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذیت پہنچانے والے سے انتقام نہ لیا، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا، تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے۔"

انہوں نے یہ بھی بیان کیا:

[1]صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب، جزء من رقم الحديث ٣، ٢٢/١۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب مباعدته صلي الله عليه وسلم للآثام، واختياره من المباح أسهل، وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، رقم الحديث ٧٩ (٢٣٢٨)، ١٨١٤/٤۔

''مَا خُیِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَ أَمْرَیْنِ، أَحَدُہُمَا أَیْسَرُ مِنَ الْآخَرِ، إِلَّا اخْتَارَ أَیْسَرَہُمَا، مَا لَمْ یَکُنْ إِثْمًا۔ فَإِنْ کَانَ إِثْمًا، کَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْہُ۔''[1]

"جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کے چناؤ کا اختیار دیا گیا، جن میں سے ایک دوسرے سے زیادہ آسان ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسان کام چنتے، جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوتا۔ اور اگر وہ گناہ ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تمام لوگوں سے زیادہ دور ہوتے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے اخلاقِ عالیہ کی تصویر کشی بایں الفاظ کی ہے:

''خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِیْنَ۔ وَاللّٰہِ! مَا قَالَ لِيْ أُفًّا قَطُّ۔ وَلَا قَالَ لِيْ لِشَيْئٍ: لِمَ فَعَلْتَ کَذَا؟ وَہَلَّا فَعَلْتَ کَذَا؟''[2]

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نے کبھی بھی مجھے "اُف" تک نہ کہا، اور نہ ہی کبھی کسی چیز کے متعلق فرمایا: "تو نے (یہ) کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟"

صرف یہی نہیں، بلکہ تاجِ نبوت پہنائے جانے سے قبل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاقِ عالیہ کے ساتھ معروف ومشہور تھے۔ اس پر دلالت کناں باتوں میں سے ایک وہ ہے، جسے امام طبرانی نے بنائے کعبہ کے قصّے کے متعلّق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

[1]صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، باب مباعدته صلي الله عليه وسلم للآثام ، واختياره من المباح أسهل ، وانتقامه لله عند انتهاك حرماته ،رقم الحديث ۷۸ ـ (۲۳۲۷) ، ۴/۱۸۱۳ـ [2] المرجع السابق ، باب كان رسول الله صلي الله عليه وسلم أحسن الناس خلقاً ، ۵۱ـ (۲۳۰۹)، ۴/۱۸۰۴ـ

''لَمَّارَأَوُا النَّبِيَّ صلي الله عليه وسلم قَدْ دَخَلَ ، قَالُوْا: ''قَدْ جَاءَ الْأَمِيْنُ۔''[1]

''جب اُنہوں (قریش) نے دیکھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، توانہوں نے کہا: ''بلاشک وشبہ ''الامین'' پہنچ گیا ہے۔''

اسی بات کے دلائل میں سے ایک وہ ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباسd سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: ''

لَمَّا نَزَلَتْ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ }صَعِدَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وسلم عَلَى الصَّفَا ، فَجَعَلَ يُنَادِيْ :'' يَابَنِيْ فِهْرٍ ! يَا بَنِيْ عَدِيّ !''لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوْا ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَّخْرُجَ ، أَرْسَلَ رَسُوْلاً لِيَنْظُرَ مَا هُوَ ، فَجَاءَ أَبُوْلَهَبٍ وَّقُرَيْشٌ ، فَقَالَ: ''أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ أَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟'' قَالُوْا:'' نَعَمْ ، مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلاَّصِدْقًا۔''[2]

''جب (آیت شریفہ) نازل ہوئی:''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے''

تونبی صلی اللہ علیہ وسلم صفاپر چڑھے، اور پکارناشروع کیا:''اے بنی فہر! اے بنی

[1]منقول از:مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، كتاب علامات النبوة ، باب ما كان يُدْعَي به صلي الله عليه وسلم قبل البعثة ، ۸/۲۲۹ـ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''رواه الطبراني في الأوسط ، ورجاله رجال الصحيح غير حفص بن عمر الضرير وخالد بن عرعرة ، وكلاهما ثقة۔'' (المرجع السابق۸/۲۲۹)۔ ''طبرانی نے اسے [معجم]اوسط میں روایت کیا ہے۔ حفص بن عمر الضریر اور خالد بن عرعرۃ کے علاوہ باقی روایت کرنے والے صحیح کے راویوں میں سے ہیں اور وہ دونوں [بھی] ثقہ ہیں۔'' [2] صحيح البخاري ، كتاب التفسير ، باب: (وأنذر عشيرتك الأقربين)، جزء من رقم الحديث ۴۷۷ ، ۸/۵۰۱ـ

عدی!'' (اور) قریش کے دوسرے خاندان والوں کو (بھی)، یہاں تک کہ وہ (سب) جمع ہوگئے، اگر کوئی شخص کسی وجہ سے نہ آسکا، تواس نے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا، تاکہ معلوم ہو، کہ کیابات ہے۔ ابولہب بھی قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا کیاخیال ہے، اگر میں تم سے کہوں، کہ وادی میں گھوڑسواروں کاایک دستہ ہے، جوتم پر حملہ کرناچاہتاہے، توکیاتم میری تصدیق کروگے؟''

انہوں نے کہا:''ہاں! ہم نے آپ کوہمیشہ سچاہی پایاہے۔''

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نقل کردہ روایت میں ہے:

''مَاجَرَّبْنَا عَلَیْکَ کِذْبًا۔'' [1] [1] صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب في قوله تعالیٰ: (وأنذر عشیرتک الأقربین)، جزء من رقم الحدیث ۳۵۵۔ (۲۰۸) ، ۱/۱۹۴۔

''ہم نے کبھی آپ کے ہاں جھوٹ نہیں دیکھا۔''

منصبِ نبوت پر فائز کیے جانے سے پیشتر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ قریش کے لوگوں نے آپ کو (صادق) اور (امین) کی حیثیت سے جانا اور پہچانا، اور اس بارے میں وہ اپنی رائے کا صراحت سے اظہار کیا کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ بعثت کے بعد، جب کہ وہ آپ کے شدید ترین دشمن بن گئے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی اور وفا کی گواہی دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباسd سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں یہ بھی ہے، کہ شاہِ روم ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا:

''فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكِذْبِ قَبْلَ أَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ؟''

''کیا تم اس کے دعوائے نبوت سے پہلے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے؟''

میں (یعنی ابوسفیان) نے کہا: ''نہیں''۔

اس (ہرقل) نے کہا: ''فَهَلْ يَغْدِرُ؟'' ''تو کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟''

''قُلْتُ: 'لَا وَنَحْنُ مَعَهٗ فِيْ مُدَّةٍ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا۔''

''میں (یعنی ابوسفیان) نے کہا: ''نہیں! اور ہم (اب) اس کے ساتھ مدت (حالتِ صلح) میں ہیں، معلوم نہیں، وہ اس میں کیا کرنے والا ہے۔''

جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے اخلاقِ عالیہ سے آگاہ ہو، اور اس بارے میں اپنوں، بیگانوں، دوستوں اور دشمنوں سب کو رطب اللّسان پائے، اور سب سے بڑھ کر علّام الغیوب کی آپ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں شہادت پیشِ نظر رکھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید محبت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موجزن ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق ذکر کرنے کے بعد قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں: ''اس بحر ناپیدا کنار کی شناوری محال ہے، اور خلاصۃ المقال یہ ہے، کہ کیا ایسے اخلاقِ فاضلہ کا ہادی، ایسے محاسنِ جمیلہ کا مالک، ایسے اشرف اقوال کا صاحب، ایسے جمیل السجایا[1]

[1] خوبصورت عادتوں والے۔

کا متحمل ایسا ہے، کہ اس سے محبت کی جائے؟ یا ایسا ہے، کہ اس سے محبت نہ کی جائے؟

میں توزور سے کہوں گا، کہ جو کوئی بھی ایسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے ستودہ، ایسے محمودہ، ایسے وجود باجُود، ایسے مصطفی، ایسے برگزیدہ سے محبت نہیں کرتا، وہ فی الحقیقت ان جملہ اخلاق وصفات سے محبت نہیں رکھتا اور اس لیے وہ خود بھی ان اخلاق وصفات سے متصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ "اَعَاذَ بِاللّٰہُ مِنْہَا" [1]

بلکہ قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا مقصد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں موجزن کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "

یہ یادرکھنا چاہیے، کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا مقصد اس خاکسار کا، بلکہ جملہ علمائے کبار کا یہی ہے اور یہی ہونا چاہیے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کے متعلّق پڑھنے والے کے قلب کو ایمان، فواد کو ایقان، روح کو راح، اور صدر کو انشراح ہو جائے اور محبت کا وہ پاک چشمہ جو خس وخاشاک علائق سے دب گیا تھا یا سنگلاخ جہل میں رُک گیا تھا، پھر فوارہ وار اسی بلندی تک موجزن ہو جائے، جس بلندی سے چلا تھا۔" [2]

[1] رحمة للعالمين صلي الله عليه وسلم ۲/۴۴۲۔ [2] المرجع السابق ۲/۴۲۳۔

6۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکرِ خیر کرنا اور دُرود شریف پڑھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں جاگزیں کرنے اور اس میں ترقی اور اضافہ کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ آنحضرت کا ذکرِ جمیل بہت زیادہ کیا جائے اور آپ پر دُرود شریف کثرت سے پڑھا جائے، کیونکہ کسی چیز کے کثرتِ ذکر سے اس کی محبت پیدا ہوتی، اور اس میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دُرود شریف کے فوائد وثمرات بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

إِنَّهَا سَبَبٌ لِدَوَامِ مُحَبَّتِهِ لِلرَّسُولِ صلي الله عليه وسلم وَزِيَادَتِهَا وَتَضَاعُفِهَا، وَذٰلِكَ عَقْدٌ مِنْ عُقُودِ الْإِيْمَانِ الَّذِيْ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِهِ لِأَنَّ الْعَبْدَ كُلَّمَا أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِ الْمَحْبُوْبِ وَاسْتِحْضَارِهِ فِيْ قَلْبِهِ، وَاسْتِحْضَارِ مَحَاسِنِهِ وَمَعَانِيْهِ الْجَالِبَةِ لِحُبِّهِ تَضَاعَفَ حُبُّهُ، وَتَزَايَدَ شَوْقُهُ إِلَيْهِ، وَاسْتَوَلَى عَلٰى جَمِيْعِ قَلْبِهِ، وَإِذَا أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِهِ وَإِحْضَارِ مَحَاسِنِهِ بِقَلْبِهِ نَقَصَ حُبُّهُ مِنْ قَلْبِهِ۔ [1]

[1] ملاحظہ ہو: جلاء الأفهام في فضل الصلاة والسلام على محمد صلي الله عليه وسلم خير الأنام ص۴۴۷۔

بلاشک وشبہ وہ (دُرود شریف) حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام اور اس میں اضافہ اور بڑھوتری کا سبب ہے اور یہ ایمان کی مضبوط بنیادی باتوں میں سے ایک ہے، جس کے بغیر بندے کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، کیونکہ بندہ جب بھی محبوب کا ذکر کثرت سے کرے گا، اسے اپنے دل میں مستحضر رکھے گا، اس کی خوبیوں اور دیگر محبت پیدا کرنے والے معانی پیشِ نظر رکھے گا، تو اس کی محبت دوچند ہوگی۔ اس کے شوق میں اضافہ ہوگا اور جب اس کی یاد سے اعراض کرے گا، اس کے محاسن کا اپنے دل میں استحضار نہ کرے گا، تو اس کے دل میں اس کی محبت میں کمی واقع ہوگی۔

7۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے احوال پیشِ نظر رکھنا

صحابہ کرامe اور ان کے بعد آنے والے اہلِ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق میں سے ہر چیز سے زیادہ عزیز اور محبوب سمجھتے تھے۔ اور اب بھی سچے اہلِ ایمان ایسے ہی ہیں۔ اس بارے میں ان کے سینکڑوں واقعات و شواہد ہیں، جن میں غور و فکر کرنے اور انہیں پیشِ نظر رکھنے سے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑنے والی بات بفضل رب العزت پوری ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں، کہ جمادات بھی آپ سے محبت کرتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''قَالَ رَسُولَ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم: ''إِنّ أُحُدًا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ۔'' [1]

[1] متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب أحد جبل يحبنا ونحبه، رقم الحديث ۴۰۸۳، ۷/۳۷۷؛ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب أحد جبل يحبنا ونحبه، رقم الحديث ۵۰۴۔ (۱۳۹۳)، ۲/۱۰۱۱۔ الفاظِ حديث صحيح مسلم کے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

جب اُحد پہاڑ جمادات میں سے ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتا ہے، تو نعمتِ ایمان سے بہرہ ور شخص کب یہ گوارہ کرے گا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں پہاڑ اس پر سبقت لے جائے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ لکڑی کا ٹکڑا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں شدید حسرت اور کرب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حضراتِ ائمہ احمد، ابن حبان اور ابو یعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم إِذَا خَطَبَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يُسْنِدُ ظَهْرَهُ إِلٰى خَشَبَةٍ۔ فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: ''ابْنُوا لِي مِنْبَرًا۔'' أَرَادَ أَنْ يُسْمِعَهُمْ، فَبَنَوْا لَهُ عَتَبَتَيْنِ، فَتَحَوَّلَ مِنَ الْخَشَبَةِ إِلَى الْمِنْبَرِ۔ قَالَ: ''فَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ الْخَشَبَةَ تَحِنُّ حَنِينَ الْوَالِهِ۔''

قَالَ: ''فَمَا زَالَتْ تَحِنُّ حَتّٰى نَزَلَ رَسُولُ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم عَنِ الْمِنْبَرِ فَمَشٰى إِلَيْهَا، فَاحْتَضَنَهَا، فَسَكَنَتْ۔'' [1]

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرماتے، تو اپنی پشت کے ساتھ لکڑی کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ٹیک لگاتے۔ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے ایک منبر بناؤ۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا، کہ (منبر پر

خطبہ دینے کی صورت میں) لوگوں کو (اچھی طرح) سنا سکیں۔ راوی نے بیان کیا: ’’مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتلایا، کہ انہوں نے لکڑی کے ٹکڑے کو گم شدہ بچے والی ماں کی طرح بے قراری سے روتے سُنا۔‘‘

انہوں نے بیان کیا: ’’وہ بے قراری سے روتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس کی طرف گئے۔ اسے اپنی آغوش میں لیا، تو اسے قرار وسکون آیا۔‘‘

امام ابن حبان اور امام ابو یعلیٰ رحمہا اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کی ہے، کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جب اس حدیث کو بیان کرتے، تو رونا شروع کر دیتے، اور فرماتے:

’’ یَاعِبَادَ اللّٰہِ! اَلْخَشَبَۃُ تَحِنُّ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلي الله عليه وسلم شَوْقًا لِمَکَانِہٖ مِنَ اللّٰہِ. فَأَنْتُمْ أَحَقُّ أَنْ تَشْتَاقُوْا إِلٰی لِقَائِہٖ۔ ‘‘[1]

’’اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مقام کی بنا پر آپ کے وصال کے شوق میں لکڑی کا ٹکڑا بے چین ہوتا ہے، تمہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں بہت زیادہ بے قرار ہونا چاہیے۔‘‘ میں اس موقع پر مشرق و مغرب کے تمام اہلِ اسلام، بلکہ تمام بنی نوع انسان سے یہ پر زور اپیل کرتا ہوں، کہ وہ محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضیت اور اہمیت کو جانیں اور پہچانیں، اس کے ثمرات وبرکات سے آگاہی حاصل کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات وعنایات کا ادراک کریں، آپ کے عظیم مقام و مرتبہ کو سمجھنے کی کوشش کریں، آپ کے بے مثال عظیم اخلاقِ کریمہ ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں، کثرت سے آپ کا ذکرِ خیر کریں، آپ پر بہت زیادہ دُرود پاک پڑھا کریں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے احوال پیشِ نظر رکھیں، شاید کہ مولائے رحمن و رحیم اپنے فضل و کرم سے ان باتوں کے ساتھ ہمارے دلوں میں اپنے حبیب کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت موجزن فرمادیں۔

إِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

المصادر والمراجع

* ''الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان'' للأمير علاء الدين الفارسي ، ط: مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٨هـ، بتحقيق الشيخ شعيب الأرناؤوط۔

* ''بداية السوأل في تفضيل الرسول صلي الله عليه وسلم '' للعلاّ مة العز عبدالعزيز بن عبدالسلام ۔

* ''تفسير البيضاوي''للقاضي ناصر الدين البيضاوي، ط : دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولىٰ ١٤٠٨ھ۔

* ''تفسير التحرير والتنوير''للشيخ محمد الطاہر ابن عاشور ، ط:الدار التونسية للنشر تونس ، بدون الطبعة ، سنة الطبع ١٣٩٩ھ۔

* ''تفسير ابن كثير '' المسمّى بـ ''تفسير القرآن العظيم'' للحافظ ابن كثير ، ط:دار الفيحاء دمشق و دار السلام الرياض ، الطبعة الأولىٰ ١٤١٣هـ، بتقديم الشيخ عبدالقادر الأرناؤوط۔

* '' تفسير السعدي'' المسمّى بـ ''تيسير القرآن الكريم في تفسير كلام المنان'' للشيخ عبدالرحمن بن ناصر السعدي ، بتحقيق الشيخ عبدالرحمن بن معلاّ اللويحق ، ط: مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة الأولىٰ ١٤٢١ھ

* ''تفسير القرطبي ، المسمّى بـ ''الجامع لأحكام القرآن'' الإمام أبي عبدالله القرطبي ، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت ، بدون الطبعة وسنة الطبع۔

* ''جامع الترمذي''(المطبوع مع شرحه تحفة الأحوذي) للإمام أبي عيسىٰ الترمذي ، ط: دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة الأولىٰ ١٤١٠ھ

* ''جلاء الافهام في فضل الصلاة والسلام على محمد۔ صلي الله عليه وسلم ۔ خير الأنام'' للإمام ابن قيم الجوزية،ط:دار العروبة الكويت، الطبعة الثانية ١٤٠٧هـ ، بتحقيق الشيخين شعيب الأرناؤوط وعبدالقادر الأرناؤوط۔

* الحرص على هداية الناس في ضوء النصوص و سير الصالحين'' لـفضل الٰهی،ط:إدارة ترجمان الإسلام جحرانواله باكستان، الطبعة الخامسة١٤١٩ھ

* ''روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني'' للعلاّمة محمود الألوسي ، ط :دار إحياء التراث العربي بيروت ، الطبعة الرابعة ۱۴۰۵ھ

* السلوک وأثره في الدعوة إلى الله تعالیٰ'' لـ فضل الٰهی ، ط:دار ابن حزم بيروت ، الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۰ھ

* شرح النووي علیٰ صحيح مسلم ''للإمام النووي، ط:دار الفکر بيروت ، بدون الطبعة ، سنة الطبع ۱۴۰۱ھ

* ''صحيح البخاري''(المطبوع مع فتح الباري) للإمام محمد بن إسماعيل البخاري، نشر و توزيع: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد بالمملکة العربية السعودية ، بدون الطبعة و سنة الطبع۔

* ''صحيح مسلم ''للإمام مسلم بن الحجاج القشيري، بتحقيق الشيخ محمد فؤاد عبدالباقي ، نشروتوزيع: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء والدعوة ولإرشاد بالمملکة العربية السعودية ، بدون الطبعة ، سنة الطبع ۱۴۰۰ھ

* ''عمدة القاري''للعلاّ مة بدر الدين العيني، ط:دار الفکر بيروت، بدون الطبعة و سنة الطبع۔

* ''مجمع الزوائد و منبع الفوائد'' للحافظ نور الدين الهيثمي، ط:دار الکتاب العربي بيروت ، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ

* '' المحرر الوحيز في تفسير الکتاب العزيز'' للقاضي ابن عطية الأندلسي ، بتحقيق المجلس العلمي بمکناس ، بدون اسم الناشر، وبدون الطبعة ، سنة الطبع ۱۴۱۳ھ * ''المسند''للإمام أحمد بن حنبل،ط:مؤسسة الرسالة بيروت،الطبعة الأولیٰ ۱۴۱۷ھ

* مسند أبي يعلیٰ الموصلي''للإمام أحمد بن علي بن المثنیٰ التميمي ، ط:دار المأمون للتراث دمشق، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۴ھ، بتحقيق الأستاذ حسين سليم أسد۔ * ''هامش المسند'' للشيخ شعيب الأرناؤوط ورفقائه ، ط:مؤسسة الرسالة بيروت،الطبعة الأولیٰ۱۴۱۷ھ باللغة الأردية:

☆ *رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، للقاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، ط: مکتبہ اسلامیہ لاہور۔* ------

ابو عطاء المنعم رضاء الله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله ورعاه وجعل الجنة مثواه۔ 18صفر 1447ھ 12اگست: 2025۔ یوم الثلثاء آج کرفی ہے

مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔کتاب الحجامة پښتو ....۔۔ مطبوع

2۔حوارات المسلم عربی .... مطبوع

3۔حوارات النسوة عربی .... مطبوع

4۔حوارات ابناءالاسلام .... غیرمطبوع

5۔حوارات بنات الاسلام عربی ......۔۔۔۔ ۔۔مطبوع

6۔حدیقةالمسلم عربی .... غیرمطبوع

7۔حدیقةالنسوة عربی .... غیرمطبوع

8۔تذکرة بیاد شیخ اردو .... مطبوع

9۔اتحادالامت پښتو ....غیرمطبوع

10۔معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔اسان اصول فقه پښتو .... غیرمطبوع

12۔لغة الاطفال عربی .... غیرمطبوع

13۔میزان الصرف عربی ....۔۔ مطبوع

14۔صرف بهائی عربی .... غیرمطبوع

15۔مه غمژن کیږه .... غیرمطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو .... غیرمطبوع

17۔دعوت الی الله۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیرمطبوع

18۔روضة الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَۃُبَیْنَ یَدَیکَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

23۔علم القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

25۔پرسکون گھرانه اورحقوق نسواں۔۔۔۔۔۔۔۔ غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

27۔څلویښت دعاګانی او څلویښت حدیثونه ۔۔۔۔۔۔مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج ۔۔۔۔۔غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول ۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

31۔توحید باری تعالیٰ سے متعلقه شکوک وشبهات کاازاله۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمه رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآن حکیم ۔۔غیر مطبوع

33۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد اول ۔۔غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمه خیرالاصول فی حدیث الرسول ۔۔۔۔مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

37۔نورالقرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔**غیر مطبوع**

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ **غیر مطبوع**

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جھنم کا بیان اور اللہ سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقه فی علوم الفقه

(42) مؤمن کی نماز اور طہارت کے مسائل واحکام

43)نماز کا مسنون طریقه اوراس کے احکام و مسائل

(44)زکاۃ کے فرضیت اور فضائل واحکام

(45) حج کے فضائل واحکام حج وعمرہ

(46) روزہ کے حقیقت اور رمضان المبارک کے احکام و مسائل

(47) خواتین سے متعلق مخصوص احکام و مسائل

(48) نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(49) نبی کی جامع سیرت اور اخلاق نبوی

فہرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
1	پیش لفظ	2
2	مقدمہ	3
3	خاندانِ نبوت	4
4	چاہ زمزم کی کھدائی۔	6
5	واقعہ فیل:	7
6	3۔ عبد اللہ ____________ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم ________	8
7	ولادت باسعادت اور حیاتِ طیبہ کے چالیس سال ولادت باسعادت	9
8	بنی سعد میں	10
9	واقعہ شق صدر:	12
10	شفیق چچا کی کفالت میں	13
11	جنگ فجار	14
12	جفاکشی کی زندگی	15
13	کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ	16
14	نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت	17
15	1۔ آپ جیسی ہستی کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کیا کرتا	18
16	2۔ تم آجاؤ، سو اونٹ ملیں گے	20
17	3۔ کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟!	22

18	4۔ آئندہ ایسا کروگے تو نتیجہ بھگت لوگے	23
19	5۔ دشمن جاں پر مہربانی ونوازش	24
20	6۔... اور فضالہ کی کایاپلٹ گئی	29
21	7۔ اُم خالد کو بلاؤ، وہ کہاں ہے؟	31
22	8۔ پیارے ساتھی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟!	33
23	9۔ جاؤ بہن! تمہاری خاطر ان مجرموں کو معاف کیا	36
24	10۔ جب بیٹا باپ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا	38
25	11-انہیں جب بھی دیکھا آنکھیں بے اختیار بہنے لگیں	40
26	12۔ بھٹکا ہوا خوش قسمت راہی	42
27	13۔ پیارے بچے! جاؤ میرا کام تو کر کے آؤ	45
28	14۔ سات کافروں کو جہنم رسید کر کے شہید ہونے والا مجاہد	46
29	15۔ خوش نصیب شہسوار	47
30	16۔ تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں اچک لیتی	48
31	17۔ وہ آجائے اسے ہماری طرف سے امان ہے	51
32	18۔ خالد! اب یہ مال واپس نہ کرنا	55
33	19۔ غزوہ اُحد سے بھی زیادہ مشکل دن	57
34	20۔ قیدی کو روٹی کھلا کر خود کھجوروں پر گزارا کر لیا	60
35	مقدس اسمائے گرامی	62
36	باب2: جسمانی واخلاقی اوصافِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اوصافِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	63
37	موئے(بال)مبارک	67

38	مہر نبوت	69
39	خوشبودار جسم اطہر	71
40	اخلاقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	73
41	1۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فرضیت نہ بھولنا	80
42	2۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ثمرات ہمیشہ یاد رکھنا	83
43	3۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات فراموش نہ کرنا	84
44	4۔ شانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنا	88
45	5۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کو جاننا اور یاد رکھنا	91
46	6۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکرِ خیر کرنا اور درود شریف پڑھنا	96
47	7۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے احوال پیشِ نظر رکھنا	97
48	المصادر والمراجع	99
49	مؤلف کے دیگر تالیفات	101
50	فہرست	104